فنانس کمپنیاں کیا ہیں؟ کیسے وجود میں آئیں؟ کس
مالکان نے عوام کا روپیہ کس طرح بٹورا؟ اس رقم کو کہاں ٹھکا
کمپنیوں کے 20 ہزار سے زائد ملازمین کی نوکریوں کا تحفظ کس طرح
ہولڈرز اور کھاتے دار اپنی رقم کس طرح واپس لیں گے؟ پولیس یہ رقم کس طرح

کالے ناگ

گھر سے حوالات تک

ڈاکٹر یٰسین رضوی

ٹیلنٹ کلب پوسٹ بکس ۵۰۸۷ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کالے ناگ

گھر سے حوالات تک

ڈاکٹر یٰسین رضوی

ٹیلنٹ کلب پوسٹ بکس ۵۰۸۷ لاہور

کالے ناگ

گھر سے حوالات تک

ناشر و طابع ——— یٰسین رضوی
تزئین ——— عرفان
کتابت ——— زاہد رضوی ۔ محمد نواز ۔
سرورق ——— یٰسین رضوی
مطبوعہ ——— یونائیٹڈ پرنٹرز ۔ داتا دربار مارکیٹ ۔ لاہور
مقام اشاعت ——— ٹیلنٹ کلب ۔ پوسٹ بکس ۵۰۸۷ ۔ لاہور
قیمت ——— ۱۶ روپے


BANKNOTE
5 FÜNF MARK
DEUTSCHEN NOTENBANK
DDR
BERLIN 1964
112646C

اِنتساب

میرے بڑے بھائی

سیّد اعجاز حسین رضوی

ایڈوکیٹ۔ عزیز چیمبرز۔ سٹی کورٹس۔ کراچی

کے نام

جنھوں نے میری گرفتاری کے فوراً بعد کراچی سے لاہور

آکر قانونی دشواریوں کے باوجود میری ضمانت کرائی

اور مجھے حوالات کی جہنم سے نجات دلائی

ابرازِ امتنان

میں بے حد شکر گذار ہوں ان دوستوں، عزیزوں اور اجنبیوں کا جو میرے مشکل وقت میں کام آئے اور اپنی اپنی حیثیت میں میری رہائی کے لئے کوشاں ہوتے۔ میں ان دوستوں کا بھی شکر گذار ہوں جو اس سخت آزمائشی لمحے میں اچانک اجنبی بن گئے۔ مجھے پولیس کے ڈی۔ ایس۔ پی آغا آصف اور سب انسپکٹر عبدالحق نیازی کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جو مجھ سے گرفتاری کے دوران شرافت سے پیش آئے۔

ترتیب

ڈاکٹر یٰسین رضوی

تعارف

یٰسین رضوی کو لکھتے ہوئے اب بیس برس گذر چکے ہیں۔ اس عرصے میں انہوں نے زیادہ تر اخبارات میں ہی لکھا۔ اُن کی ابتدائی تحریریں روزنامہ زمیندار اور آفاق میں شائع ہوئیں جہاں انہیں حاجی لق لق مرحوم اور انتظار حسین نے لکھتے رہنے کا شوق دلایا کچھ عرصہ بعد حمید اختر نے یٰسین رضوی کو امروز میں جگہ دی۔ اس کے بعد وہ ۱۹۶۲ء میں کوہستان میں لکھنے لگے۔ ۱۹۶۳ء میں مشرق کا اجرا ہوا تو یٰسین رضوی نے بھی مشرق میں لکھنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے دوسرے اخبارات میں لکھنا بند کر دیا۔ اُن کا اور مشرق کا ساتھ سولہ برس پرانا ہے۔

یٰسین رضوی کے نجی حالات جو میرے علم میں آئے، یہ ہیں کہ میرے یہ دوست ۲۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو کانپور میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں ہوش سنبھالا اور ستمبر ۱۹۴۷ء میں اپنے والد سیّد شمشاد حسین رضوی (مرحوم) کے ہمراہ لاہور آ گئے۔ ۱۹۵۴ء میں اسلامیہ ہائی اسکول لاہور چھاؤنی سے میٹرک کے بعد وہ گلبرگ اسکول میں ٹیچر بن گئے۔ اس زمانے میں انہوں نے اپنی تعلیم بھی جاری رکھی اور ۱۹۶۰ء میں ایم اے پاس کرنے کے بعد تہران چلے گئے جہاں دانش گاہ تہران سے ۲۱ ماہ کی مُدّت میں پی ایچ ڈی کر کے ۱۹۶۵ء میں پاکستان واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں وہ چار کتابیں بھی تحریر کر چکے تھے۔

پاکستان آ کر یٰسین رضوی مشرق میں باقاعدہ ملازم ہوئے اور اخبارِ خواتین کی تاسیسی

جماعت میں شریک ہوکر کراچی چلے آئے۔ ۱۹۶۷ء میں وہ پاکستان کی سپیریئر سروس میں شامل ہوئے۔ داخلے کے امتحان میں انہیں ملک بھر میں دوسری پوزیشن حاصل ہوئی۔ سرکاری ملازمت کے دوران انہوں نے ماہِ نو، پاک جمہوریت اور سات زبانوں میں شائع ہونے والے ماہوار رسالے "پاکستان پکٹوریل" کی ادارت کی اور کافی عرصے تک حکومت پاکستان کے فارسی ادبی رسالے "ہلال" اور "ماہِ نو" کے مہمان مدیر بھی رہے۔ انہوں نے اب تک ریڈیو اور ٹی وی سے تقریباً پانچ سو تقریریں اردو، انگریزی اور فارسی میں نشر کی ہیں۔

۱۹۷۴ء میں ان کو پریس اتاشی بنا کر تہران تعینات کیا گیا مگر بعد میں تبادلے کے احکام بدل کر اُن کو مغربی جرمنی بھیج دیا گیا۔ یہاں پاکستانی سفیر کے رویے سے تنگ آکر انہوں نے سابق وزیرِاعظم کو احتجاجی استعفیٰ بھیجا جو تمام سرکاری قوانین کی خلاف ورزی کر کے منظور کر لیا گیا اور یٰسین رضوی لندن میں مختصر قیام کے بعد تہران چلے گئے جہاں انہیں روزنامہ کیہان میں غیر ملکی ڈیسک کی سربراہی سونپی گئی۔ وہ کیہان میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں اب تک ۸۲ ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں۔ بیشتر ملکوں میں ان کو سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل تھی۔ ایران کے حالیہ بحران میں وہ سب سے مصروف صحافیوں میں سے ایک تھے۔

یٰسین رضوی اب تک پانچ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ انہوں نے دو پر نظرِ ثانی کی اور تین میں معاون تدوین کی حیثیت سے شریک رہے۔ ایک صحافی کی حیثیت سے وہ اب تک سترہ سربراہانِ مملکت اور ایک سو سے زائد وزراء اور اہم شخصیتوں کو انٹرویو کر چکے ہیں۔ پاکستان سے دُور رہنے کے باوجود انہوں نے اپنے ملک کے اہلِ قلم اور صحافیوں سے گہرا رابطہ قائم رکھا۔ حال ہی میں انہوں نے سیاسی اور اقتصادی جائزوں پر مبنی مقالات کے علاوہ افسانہ نگاری بھی شروع کی ہے اور ان کا پہلا افسانہ فارسی ادب کے ۱۹۸۰ء کے مجموعے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اب وہ مستقل طور سے پاکستان آگئے ہیں۔

حسن عابدی   ایڈیٹر اخبارِ خواتین کراچی

حرفِ اوّل

دو ارب سے زائد روپیہ خرد برد ہو گیا ہے یا ہونے کو ہے۔

بیس ہزار افراد کا روزگار ڈانواں ڈول ہے۔

معاشی منڈی میں قیمتوں کے ڈھانچے کو متاثر ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

افراطِ زر اور قانون افادہ مختتم مِل کر معیشت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

فنانس کمپنیوں کے کھاتے داروں میں اضطراب کی جگہ مایوسی اور نااُمیدی نے لے لی ہے۔

کرائمز برانچ میں "ایک ہفتے کے اندر" رقم دلوانے کے وعدوں پر آنے والے لوگ چکر لگا لگا کر تھک چکے ہیں۔ جس افسر نے عوام سے درخواستیں وصول کرتے ہوئے تصویر کھچوا کر اخبار میں شائع کرائی تھی۔ وہ اب درخواستیں دینے والوں کو کوئی معقول جواب نہیں دے پا رہا ہے۔

یہ کوئی اچھی نشانی نہیں ہے۔

پولیس نے اکتوبر کے پہلے ہفتے میں تین فنانس کمپنیوں کے خلاف کارروائی کی تھی جن میں ملک کی سب سے بڑی فنانس کمپنی ایکسپریس کمرشل فنانس

انٹرنیشنل بھی شامل تھی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ تمام کارروائی باسی کڑھی میں اُبال کی طرح ختم ہوگئی۔

گرفتار کوئی اور ہونا تھا مگر آپریشن کی ناکامی چھپانے اور ناکامی کو کامیابی بنا کر پیش کرنے کے شوق میں گرفتار کسی اور کو کر لیا گیا۔ ان میں مَیں بھی شامل تھا۔ ایکسپریس کے خلاف کارروائی صدر بازار کے دو افراد کی درخواست پر کی گئی جن کا روپیہ صدر بازار شاخ میں جمع تھا۔ جس وقت روپیہ جمع کرایا گیا تھا، اس وقت میں کمپنی میں نہیں تھا، کیونکہ میں نے ۲؍اکتوبر ۱۹۷۹ء کو مینیجنگ ڈائریکٹر کا عہدہ سنبھالا تھا۔ جس روز روپیہ دینے سے انکار کیا گیا میں اس روز یعنی ۴؍اکتوبر کو کمپنی میں نہیں تھا کیونکہ میں اگلے روز یعنی ۳؍اکتوبر کو مستعفی ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود ۶؍اکتوبر کو صبح سویرے گلبرگ تھانہ میں ایف۔آئی۔آر درج کرنے کے بعد صدر بازار شاخ کی بجائے احسان بٹالوی کے گھر چھاپہ مارا گیا۔ احسان گرفتار نہیں ہو سکے۔ میں اپنے استعفے کے بارے میں احسان کے گھر گیا تو پولیس نے مجھے دھر لیا۔ اس کے بعد اس علم کے باوجود کہ میں کمپنی کے عہدے سے ۲۴ گھنٹے بعد ہی مستعفی ہو چکا ہوں پولیس نے زبردستی مجھے مینیجنگ ڈائریکٹر کے طور پر متعارف کرا کے میری تصویر انتہائی ذلت آمیز الزامات کے ساتھ اخبارات میں شائع کرا دی، تاہم ۲۴؍اکتوبر کو ۱۸ دن ذلت میں بسر کرنے کے بعد حیدر مہدی کی عدالت سے مجھے مقدمہ شروع ہونے سے قبل ہی ڈسچارج کر دیا گیا۔ خدا کا شکر ہے۔

یہ سب کچھ کیا تھا؟ کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟ اس کے بارے میں ہزاروں لوگ سوالیہ نشان بنے ہوتے ہیں۔ میں نے اس کتاب میں اس سوالیہ نشان کا جواب دیا ہے۔

صحافی کے لئے سچ بولنا آسان اور جھوٹ بولنا مشکل ہے۔ میں نے حسب سابق

آسان راستہ اختیار کیا ہے، مگر یہ راستہ اختیار کر کے سختیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ میں ایسی سختیاں جھیلنے کا عادی ہوں۔ میرا سر فخر سے بلند ہے۔ قلم پاک ہے اور دل صاف ہے۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ بلاوجہ اخبارات میں میری تذلیل کی گئی۔ مجھے خواہ مخواہ ہتھکڑی لگائی گئی۔ حوالات میں دھکیلا گیا۔ ایک اے ایس آئی نے گالیاں دیں اور ملزم کی حیثیت سے عدالتوں میں پیش کیا گیا۔ اس پوری کہانی میں کچھ لوگ اچانک دوستوں کے روپ میں آئے اور لطف و کرم کی بارشیں کر گئے اور کچھ لوگ ناگہانی طور پر اجنبی بن گئے اور اب بات کرنے کے بھی روادار نہیں۔

کراچی سے میرے بھائی سید اعجاز حسین رضوی ایڈووکیٹ آئے۔ راولپنڈی سے میرے دوست شہباز ملک آئے اور دوسرے شہروں سے بے شمار دوستوں نے حوصلے دلانے کے خط بھیجے۔ میں ان سب کا شکر گذار ہوں کہ اگر یہ سب مل کر داد رسی اور فریاد رسی نہ کرتے تو میں حوالات میں پاش پاش ہو چکا ہوتا۔ اللہ ان سب کو اجر دے۔ آمین۔

یاسین رضوی

۱۹۷۹/۱۱/۶

ابتدائے عشق

پاکستان کے سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دورِ اقتدار کی ابتدا میں ہی تمام بنکوں اور انشورنس اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد بنکوں کو آپس میں ضم کر کے ملک میں صرف غیر ملکی بنکوں کو آزادانہ کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ کئی انشورنس ادارے بھی آپس میں ضم کر دیئے گئے تھے۔

ان کے اس عمل سے انہیں سیاسی میدان میں کیا فائدے یا نقصان ہوتے اس سے قطع نظر یہ بات بہر حال تسلیم کی گئی کہ بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے سے نجی سرمایہ کاری کو سخت دھچکا لگا اور کئی برس تک نجی شعبہ میں سرمائے پر جمود کی کیفیت طاری رہی جس سے قومی معیشت پر بے حد مضر اثرات مرتب ہوتے۔

جولائی ۱۹۷۷ء میں وزیر اعظم بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تو نجی سرمایہ میدان میں نہیں لایا گیا کیونکہ صدر ضیاء الحق نے ۹۰ دن کی حکومت کے اندر انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا تھا اور اس بات کا امکان بہت زیادہ نظر آرہا تھا کہ اگر انتخابات ہو گئے تو وزیر اعظم بھٹو دوبارہ برسر اقتدار آجائیں گے۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ہونے والے انتخابات اچانک ملتوی ہو گئے اور وزیراعظم بھٹو پر میاں احمد رضا قصوری کے والد نواب محمد احمد خاں کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا الزام لگا کر سیشن کی بجائے براہ راست عدالت عالیہ کی فل بنچ کے سامنے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی تو مقدمے کی ابتدائی کارروائی کے فوراً بعد ہی نجی سرمایہ کاروں نے کچھ "سونگھنا" شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ نجی سرمایہ باہر آنا شروع ہو گیا۔

مارچ ۱۹۷۸ء میں وزیراعظم بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ میں چیف جسٹس مولوی مشتاق احمد کی عدالت سے موت کی سزا سنائی گئی تو نجی سرمایہ کاری کا دور پھر سے شروع ہوا اور جو لوگ وزیراعظم بھٹو کے سوشلسٹ خیالات سے خوفزدہ ہو کر سرمایہ باہر نہیں لا رہے تھے انہوں نے اپنا روپیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ اس میں سے بہت سا سرمایہ "بلیک منی" تھا جسے باقاعدہ طور سے سرکاری نگرانی میں چلائے جانے والے بنکوں میں جمع کرانا ہرگز "محفوظ" نہیں کہلا سکتا تھا اور اس بات کا خدشہ بہرحال موجود تھا کہ حکومت کسی بھی وقت اسلامی قوانین کا سہارا لے کر اس رقم کو ضبط کر لے گی۔

ایسی صورت حال میں ایسے بنکوں کی طرف سمگلروں اور راشی افسروں کا سیلاب امڈ آیا جو غیر ملکی بنک ہونے کی وجہ سے سرکاری پابندیوں سے آزاد تھے اور جہاں رقم کو محفوظ سمجھا جا سکتا تھا۔ تاہم ایسے بنکوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان میں سے اکثر صرف کراچی میں تھے۔ دوسرے تمام بنکوں کے صدر دفاتر بھی کراچی میں ہی تھے اور پنجاب کے عوام کے پاس اپنی رقم رکھنے کے لئے کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جسے وہ سچ مچ محفوظ تصور کر سکتے۔

یورپ سے واپس آئے ہوئے ایک ذہین تاجر اور صنعت کار مسٹر صفدر نے جن کا تعلق گجرات سے تھا، اس صورت حال کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور انڈسٹریل اینڈ کمرشل فنانس کمپنی (آئی سی ایف) کے نام سے ایک مالیاتی ادارے کی بنیاد رکھ دی۔ یہ ادارہ بلا سود بنکاری اور بلا سود معیشت و تجارت کے فروغ کے نعرے کے ساتھ وجود میں آیا

اور لوگوں نے اس کا خلوص دل سے استقبال کیا۔ مئی ۱۹۷۸ء میں چوہدری داؤد اور احسان اللہ خان نامی دو سابق بنک افسروں نے بھی بالترتیب یونائیٹڈ کمرشل فنانس اور ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کی بنیاد رکھی اور ملک میں بلاسود معیشت کے قیام کے نعرے کو آگے لے کر بڑھے۔ ملک میں صدر ضیاء الحق اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے جو کوششیں کر رہے تھے ان کے پیش نظر تمام اخبارات اور سماجی و معاشی حلقوں نے ان تینوں مالیاتی اداروں کی تشکیل کا خیر مقدم کیا۔

صفدر، چوہدری داؤد اور احسان اللہ خان تعلیم یافتہ تھے، ذہین تھے اور مالیاتی نظام کو نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ چوہدری داؤد اور احسان اللہ خان نے پنجاب یونیورسٹی سے اقتصادیات میں ایم اے بھی کر رکھا تھا۔ وہ ملک میں بلاسود معیشت کا تصور رائج کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے کاروبار کی ابتدا خلوص نیت سے کی تھی۔ ان کی ابتدائی کامیابی سے کچھ حاسدوں پر بہت برا اثر ہوا اور انہوں نے بھی راتوں رات امیر بننے کی امید میں فنانس کمپنیاں کھول لیں۔ جون ۱۹۷۸ء تک فنانس کمپنیوں کی تعداد ایک درجن سے تجاوز کر چکی تھی۔

اصولی طور پر یہاں اس بات کا اعتراف بہت ضروری ہے کہ احسان بٹالوی نہ صرف ایک اچھے اہل قلم، شاعر اور ادیب ہیں بلکہ وہ اقتصادیات پر بھی دو اہم کتابیں تحریر کر چکے ہیں جو یہ ہیں۔ ۱۔ اسلام یا سوشلزم ۲۔ معاشیات کیا ہے۔ ان کی دیگر کتب کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ جنگ اور انسانیت ۲۔ اک میری روح ۳۔ ہم اور ہم ۴۔ کہانی اک اجڑدی

متذکرہ تینوں فنانس کمپنیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ عوام سے مختلف منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے رقم وصول کرتیں، پھر ان رقوم کو اپنی مرضی اور پسند کے منافع بخش منصوبوں میں لگا کر منافع حاصل کرتیں اور منافع کی رقم میں سے ایک حصہ اپنے کھاتیداروں میں تقسیم کرتی تھیں۔ یہ رقم اگرچہ ایک باقاعدہ اکاؤنٹ کے تحت لی جاتی تھی مگر اس کی

واپسی کمپنی کی صوابدید پر مشروط تھی کیونکہ بنکوں کی کارکردگی کے برعکس فنانس کمپنیاں اپنا سرمایہ فوراً ہی براہ راست مختلف منصوبوں میں لگا دیا کرتی تھیں۔

جن ایک درجن کے لگ بھگ کمپنیوں نے آئی سی ایف، یو سی ایف اور ای سی ایف آئی کی طرز پر مالیاتی ادارے کھولے تھے ان کے مالکان کا طریق کار بھی یہی تھا مگر انہوں نے عوام سے وصول کی ہوئی رقم کو ذاتی عیش و عشرت اور تفریح و عیاشی پر لگانا شروع کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر احسان اللہ خان نے جو احسان بٹالوی کے نام سے عوامی و ادبی حلقوں میں خاصے مشہور ہو چکے ہیں، جون ۱۹۷۸ء میں پہلی بار حکومت سے ایک خط کے ذریعے مطالبہ کیا کہ وہ فنانس کمپنیوں کی بے لگام افزائش کی روک تھام کے لئے کوئی باقاعدہ قانون بنائے، کمپنیوں سے زر ضمانت اور بنک سیکورٹی طلب کرے اور فنانس کمپنیوں کو ضابطے کا پابند بنائے۔ بعد میں اخبارات اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے احسان بٹالوی نے بار بار اپنے اس موقف کو دہرایا کہ فنانس کمپنیوں کے کاروبار کو کالی بھیڑوں اور بدعنوان عناصر سے بچانے کے لئے کسی موثر قانون کی فوری ضرورت ہے۔ مگر ان کے بیانات کا اونچی سطح پر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ جولائی ۱۹۷۸ء میں احسان بٹالوی نے اپنی ذاتی حیثیت میں سٹیٹ بنک وزارت خزانہ اور منصوبہ بندی کمیشن کو ایک بار پھر فنانس کمپنیوں کی بے لگام افزائش کی طرف توجہ دلا کر ایک موثر قانون کے نفاذ کی ضرورت پر زور دیا مگر ان کی یہ اپیل بھی بے کار گئی۔

ادھر پاکستان کی بہت بڑی ورک فورس پاکستان سے باہر اور خاص طور سے خلیج فارس کے ممالک میں مقیم تھی اور باقاعدگی سے اپنے اہل خاندان کو رقم کی ترسیل میں مشغول تھی۔ بنک قومی صنعت میں لئے جا چکے تھے اس لئے بنک مقامی طور سے یا بنکنگ کونسل کی زیر نگرانی مزید شاخیں کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، بنکوں میں تربیت یافتہ عملے کی بھی کمی ہو گئی تھی کیونکہ بیشتر بنک ملازمین اپنی نوکریوں سے استعفٰے دے کر یا تو

غیر ممالک میں چلے گئے تھے یا دھڑا دھڑ غیر ملکی بنکوں میں مقامی طور سے نوکریاں کرنے لگے تھے۔ دیہی علاقوں میں بنکوں کی کمی فنانس کمپنیوں نے پوری کرنی شروع کی تو مقامی طور پر بھی بنکوں کے ملازمین کو بہتر تنخواہیں دے کر ان کمپنیوں میں ملازم رکھ لیا گیا اور اس طرح وہ بنکنگ کونسل جو پہلے ہی مزید شاخیں کھولنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بالکل ہی بے بس نظر آنے لگی۔

فنانس کمپنیوں کا اجراء ۱۹۱۳ء کے کمپنیز ایکٹ کے تحت عمل میں آیا تھا اور اس کے لئے باقاعدہ طور سے رجسٹرار آف کمپنیز کی طرف سے اجازت نامہ جاری کیا جاتا تھا۔ اسطرح مجموعی طور سے ۱۸۳ کمپنیوں کو فنانس کمپنی کے طور پر کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ جن میں سے ۱۵۴ نے اپنے دفاتر باضابطہ طور سے قائم کئے۔ ان ۱۵۴ کمپنیوں میں سے ۱۲۳ کے صدر دفاتر لاہور کی فیشن ایبل بستیوں ماڈل ٹاؤن، گلبرگ، شادمان اور سمن آباد میں قائم کئے گئے۔ ان کمپنیوں نے بھاری اڈوانس اور زیادہ کرائے دے کر عالیشان بنگلے اپنے دفاتر اور اعلیٰ ملازمین کے لئے حاصل کئے جس سے لاہور میں رئیل اسٹیٹ یعنی حقیقی جائیداد کی قیمتوں اور کرایوں میں ایک سال میں ہی سو فیصد تک اضافہ ہوا۔

لاہور میں جن کمپنیوں نے حکومت کی باقاعدہ اجازت اور عوام کی بھرپور اطلاع سے اخبارات میں پبلسٹی و تشہیر کے بعد اپنے دفاتر قائم کئے تھے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ انڈسٹریل اینڈ کمرشل فنانس۔ ۲۔ یونائیٹڈ کمرشل فنانس
۳۔ ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل۔ ۴۔ پروگریسو فنانس
۵۔ پریمیئر فنانس ۶۔ کمرشل پلانرز
۷۔ پاک انٹرنیشنل فنانس ۸۔ السعودیہ فنانس
۹۔ پاک کویت فنانس ۱۰۔ سادرلاڈا انٹرپرائز

۱۱ - مسلم انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ
۱۲ - ویسٹ اینڈ ایسٹ فنانس
۱۳ - نیشنل کمرشل فنانس
۱۴ - پاکستان کمرشل فنانس
۱۵ - آوانہ کمرشل فنانس
۱۶ - الفیصل انٹرنیشنل فنانس
۱۷ - گلف انٹرنیشنل فنانس
۱۸ - اورسیز کلکٹو کنسلٹیشن انٹرنیشنل
۱۹ - پاسبان کمرشل فنانس
۲۰ - یثرب انٹرنیشنل فنانس
۲۱ - الفرید کمرشل پلانرز
۲۲ - راوی فنانس
۲۳ - حیدری انٹرنیشنل فنانس
۲۴ - گرینڈ کمرشل فنانس
۲۵ - اورینٹ فنانس
۲۶ - الائیڈ سروسز
۲۷ - کوہ نور انٹرنیشنل ٹریڈرز
۲۸ - کریسنٹ کمرشل فنانس
۲۹ - خیبر انٹرنیشنل فنانس
۳۰ - الحبیب کمرشل فنانس
۳۱ - فرسٹ کمرشل فنانس
۳۲ - ڈان انٹرنیشنل فنانس
۳۳ - محمدی کمرشل فنانس
۳۴ - شالیمار کمرشل فنانس
۳۵ - بسم اللہ کمرشل فنانس
۳۶ - الفا کمرشل فنانس

فیلِ بے زنجیر

احسان بٹالوی نے ایک سال کے لگ بھگ کی مدّت میں ملک بھر میں چار سو کے قریب شاخیں کھول دیں اور ان شاخوں کو بہت ہی آبرومند مند اور باعزت فرنیچر سے آراستہ کیا۔ ساتھ ہی احسان بٹالوی نے ایک فرنیچر کمپنی کی بنیاد ڈالی تاکہ فرنیچر کی خریداری پر بے ضرورت روپیہ ضائع نہ کیا جائے۔ مختلف برانچوں کو جس کثیر تعداد میں سٹیشنری کی ضرورت تھی اسے پورا کرنے کے لئے احسان بٹالوی نے ایک پرنٹنگ پریس بھی خریدا اور ایڈورٹائزنگ کے ایک باقاعدہ ادارے کی بنیاد ڈالی۔

ایک طرف تو احسان بٹالوی ملک بھر میں اپنی کمپنی کی شاخوں کا نیٹ ورک قائم کر رہے تھے اور دوسری طرف ان کی کمپنی سے مستعفی ہونے یا نکالے جانے والے متعدد لوگوں نے کمپنیاں کھولنی شروع کر کے روپیہ بٹورنا شروع کر دیا۔ انہی دنوں جماعت اسلامی اور مسلم لیگ نے قومی اتحاد کی طرف سے ایک غیر نمائندہ اور غیر منتخب کابینہ میں شرکت اختیار کر کے ملکی سیاست میں نئے رُخ کا اضافہ کیا۔ احسان بٹالوی کا خیال تھا کہ جماعت اور مسلم لیگ کے وزیر غیر نمائندہ ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں گے اور عوامی دولت کو غیر محفوظ اور غیر ذمہ دار ہاتھوں میں جانے سے روکنے کے لئے کسی قانون کے اجراء کی ضرورت کو سمجھ سکیں گے مگر احسان بٹالوی کا یہ خیال درست نہ نکلا اور حکومت نے کسی بھی قانون کے اجراء کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اتنا ضرور ہوا کہ سٹیٹ بنک نے ایک اعلان کے ذریعے شیڈول بنکوں کو ہدایت کر دی کہ وہ فنانس کمپنیوں کے حساب نہ کھولیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام فنانس کمپنیوں نے

اپنا مجموعی سرمایہ جو اس وقت چالیس کروڑ روپے سے متجاوز ہو چکا ہے، ان بنکوں سے نکال کر پاکستان میں قائم شدہ غیر ملکی بنکوں میں رکھ دیا مجھے اگرچہ دیگر فنانس کمپنیوں کے اعداد و شمار کا تو علم نہیں ہو سکا، مگر ایکسپریس کمرشل فنانس نے ایک کروڑ روپے کے لگ بھگ رقم پاکستانی بنکوں سے نکلوا کر مجبوراً بنک آف مڈل ایسٹ کی لاہور برانچ میں جمع کرائی اور اس طرح بنک معقول ڈیپازٹس سے محروم ہو گئے۔

اسٹیٹ بنک کی ہدایات کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ لوگوں نے شک اور پریشانی میں آکر فنانس کمپنیوں سے اپنی رقوم نکلوانی شروع کر دیں اور اس طرح ملک میں سرمایہ کاری کی سرگرمیوں کو ایک بار پھر دھچکا لگا۔ عام طور سے یہی سمجھا گیا کہ سٹیٹ بنک کے افسروں نے یہ حرکت ملک کی فوجی حکومت کی اسلامی معیشت کے قیام کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے کی ہے۔

اپریل ۱۹۷۹ء میں غیر نمائندہ کابینہ مستعفی ہو گئی اور مئی میں سٹیٹ بنک نے ایک بار پھر اعلان کیا کہ وہ عنقریب فنانس کمپنیوں کے معاملات کی چھان بین شروع کرے گا۔ اس اعلان سے چھوٹی کمپنیوں میں کھلبلی مچی مگر کچھ عرصے بعد سٹیٹ بنک کے اس اعلان کو محض گیدڑ بھبکی سمجھ کر کمپنیوں کے مالکان نے پھر زور شور سے کاروبار شروع کر دیا۔ تاہم سٹیٹ بنک کے اس اعلان کے فوراً بعد احسان بٹالوی نے ایک سرکلر کے ذریعے اپنی تمام چار سو شاخوں کو مبارک باد بھیجی کہ ان کے سابقہ مطالبات رنگ لائے ہیں۔ اور اب سٹیٹ بنک عنقریب تمام فنانس کمپنیوں کے اثاثوں کی چھان بین شروع کرے گا۔

احسان بٹالوی نے اپنے تبریکی پیغام میں شاخوں کے مینیجروں سے یہ بھی کہا کہ وہ ہمیشہ اپنے حسابات تیار رکھیں تاکہ انہیں مختصر نوٹس پر سٹیٹ بنک کو معائنے کے لئے پیش کیا جا سکے۔

ایک طرف تو سٹیٹ بنک کی طرف سے مسلسل بیانات کی فائرنگ ہو رہی تھی

اور دوسری طرف فائرنگ کا کوئی مؤثر نتیجہ یا عملی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ستمبر ۱۹۷۹ء کے آخر تک ملک کی ۱۵۴ فنانس کمپنیوں نے مجموعی طور سے تین ہزار سے زائد شاخیں کھول لی تھیں۔ بیس ہزار سے زائد افراد کو ملازم رکھ لیا تھا اور دو ارب روپے کے قریب رقم جمع کر لی تھی۔ ستمبر کے آخر تک ملک کی سب سے بڑی فنانس کمپنیاں یو۔سی۔ ایف اور ای۔سی۔ ایف آئی تھیں۔

احسان بٹالوی سے مُلاقات

میں مارچ ۱۹۷۹ء میں مستقبل قیام کے لئے تہران سے کراچی اور پھر لاہور آیا تو یہاں مجھے احسان بٹالوی کے تحریر کردہ مقالات انٹرویو اور اخباری بیانات پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے یہاں اپنے ذاتی اشاعتی ادارے "ٹیلنٹ کلب" کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی ادارے کی طرف سے میری دو کتب۔
۱۔ ایران۔ آریا مہر سے آیت اللہ تک۔ ۲۔ افغانستان۔ بغاوت سے انقلاب تک شائع ہوئیں۔

دوسری دو کتب۔

۱۔ بنگلہ دیش۔ بربادی سے آزادی تک۔ ۲۔ محمل۔ دس نامور شاعر خواتین زیرِ ترتیب تھیں کہ میں نے احسان بٹالوی کی شہرت اور ان کے ادبی مذاق کے پیشِ نظر فیصلہ کیا کہ محمل کا دیباچہ ان سے تحریر کراؤں۔ عام طور سے رسم ہے کہ دیباچہ لکھنے والے حضرات کو دیباچے کا ایک مجوزہ مسودہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس مسودے کو بعینہٖ قبول کر کے اشاعت کی اجازت دے دیتے ہیں۔ میں نے بھی احتیاطاً دیباچے کا ایک مسودہ تیار کیا اور ۶ ستمبر کو صبح گلبرگ میں ان کی رہائش گاہ پر لے گیا۔ ملاقات کا وقت پہلے سے طے تھا۔

احسان بٹالوی نے میری باتیں بہت توجہ سے سنیں۔ میں نے جب انہیں کتاب

کا مسودہ اور مجوزہ دیباچے کا مسودہ پیش کیا تو وہ دیباچہ دیکھ کر خاصے برہم ہوتے اور بولے کہ وہ ہرگز کسی کا لکھا ہوا دیباچہ قبول نہیں کرتے اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود یہ کام خود کرتے ہیں۔ ایک اچھے اہل قلم کی یہی شان ہونی چاہیئے اور اسی لئے مجھے ان کی یہ ادا بہت پسند آئی۔

احسان بٹالوی نے میرے اشاعتی ادارے "ٹیلنٹ کلب" کے بارے میں تفصیل سے پوچھا اور مسودہ اپنے پاس رکھ کر اگلے روز دفتر میں ملنے کو کہا۔ اس کے بعد میں پندرہ ستمبر ۱۹۷۹ء تک تقریباً روز ہی ان سے ملتا رہا مگر ان سے صرف اس قدر بات ہو سکی کہ ان کا ادارہ اس کتاب کی اشاعت کے لئے تیار ہے۔ میں نے اس تجویز کو اصولی طور سے قبول نہیں کیا۔

پندرہ ستمبر کی شام کو احسان بٹالوی نے بتایا کہ وہ اگلی صبح راولپنڈی جا رہے ہیں جہاں وہ شام کو آٹھ بجے صدر پاکستان سے مل کر انہیں فنانس کمپنیوں کے مسائل سے نہ صرف آگاہ کریں گے بلکہ ان میدانوں کا بھی ذکر کریں گے جہاں ملکی معیشت کے فروغ کی خاطر فنانس کمپنیاں بھرپور کردار ادا کر سکتی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ احسان بٹالوی کی باتوں میں خلوص، لہجے میں صداقت اور عزم میں برنائی موجود ہے۔ وہ واقعی ایک ایسے مشن کی تکمیل کے لئے تیار ہیں جو نہ صرف بہت مشکل ہے بلکہ جس کی تکمیل سے ملک کی اقتصادی بدحالی اور روز بروز بگڑتی ہوئی معیشت کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور ایک خوشحال مستقبل کی تعمیر کی طرف مثبت قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ میں نے احسان بٹالوی سے اس سمری کی نقل مانگی جو وہ صدر پاکستان کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ سمری کیونکہ سمری کے مروجہ آداب کے مطابق نہیں تھی اور میں اس کی زبان و انداز سے بھی مطمئن نہیں تھا اس لئے میں نے ان سے یہ سمری لے لی اور اسی رات تکمیل کے بعد واپس کر دی۔ اگلی صبح کیونکہ اسے ان کے دفتر میں ٹائپ نہیں

کیا جا سکا اس لئے میں احسان بٹالوی کے ہمراہ ہی دوپہر بارہ بجے کی فلائٹ پر اسلام آباد چلا گیا۔

اسلام آباد میں ہمارا قیام ہالی ڈے ان میں تھا۔ مجھے ہوٹل چھوڑ کر احسان بٹالوی ضروری ملاقاتوں کے لئے چلے گئے اور میں نے ایکسپریس کمرشل فنانس کے راولپنڈی زون کے ایک سٹینو مسٹر اورنگ زیب کی مدد سے وہ سمری تیار کرالی۔ اس روز رات کو ایکسپریس کے صدر کی حیثیت سے احسان بٹالوی نے صدر پاکستان سے ملاقات کی اور چالیس منٹ کی گفتگو کے دوران سمری میں تحریر شدہ باتوں کا ذکر بھی کیا۔ ملاقات کے دوران وزارت خزانہ کے سیکرٹری جناب حبیب اللہ بیگ بھی موجود تھے۔

صدر نے احسان بٹالوی کی باتوں کو غور سے سنا۔ تجویزوں کو معقول قرار دیا اور چند تجاویز اپنی طرف سے بھی پیش کیں۔ اگلی صبح وزارت خزانہ میں سیکرٹری صاحب سے ان تجویزوں پر بھی بات چیت ہوئی۔ صدر صاحب سے تو احسان بٹالوی اکیلے ملے تھے مگر اگلی صبح وزارت خزانہ کے سیکرٹری سے انہوں نے مندرجہ ذیل اصحاب کی ہمراہی میں ملاقات کی۔ ا۔ چوہدری داؤد۔ صدر یو سی ایف۔ ۲۔ مشہود احمد۔ صدر پریمیئر فنانس۔

ایک تیسرے شخص ذوالفقار علی جو الفا کمرشل کے صدر ہیں اور اپنی نام نہاد سرگرمیوں کے الزام میں ایکسپریس کمرشل سے نکالے جا چکے تھے اس ملاقات میں موجود نہیں تھے تاہم انہوں نے لاہور سے راولپنڈی اور پھر راولپنڈی سے لاہور کا واپسی سفر احسان بٹالوی کے ہمراہ ہی کیا۔ یہ صاحب محض احسان بٹالوی کی سرگرمیوں سے مطلع رہنے کی غرض سے عام طور سے ان کے ہمراہ رہتے تھے اور احسان کی کمپنی کے بارے میں افواہیں پھیلانے میں ان کا گہرا ہاتھ ہے۔

یہ دونوں ملاقاتیں احسان بٹالوی صاحب نے میرے بغیر کیں کیونکہ میری

اس وقت ای سی ایف آئی میں کوئی حیثیت یا منصب نہیں تھا۔ احسان بٹالوی ان ملاقاتوں میں اس لئے بھی پیش پیش رہے کہ وہ فنانس کمپنیوں کی انجمن کے صدر بھی منتخب ہو چکے تھے۔ اس انجمن کا مرکزی دفتر بی سی ایف کے صدر دفتر واقع گلبرگ میں ہے۔

راولپنڈی سے واپسی کے اگلے روز ہی احسان بٹالوی اچانک کراچی اور وہاں سے جرمنی چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں ذوالفقار علی اور دیگر اشخاص نے یہ تاثر دیا کہ احسان بٹالوی ملک سے فرار ہو گئے ہیں اور یہ کہ اب ای سی ایف آئی کو عنقریب دیوالیہ قرار دے دیا جائے گا۔ ۲۸ ستمبر کو احسان بٹالوی لندن ہوتے ہوئے واپس پاکستان آگئے مگر ان کی واپسی تک افواہیں اپنی معمولی سرحدوں سے گزر چکی تھیں۔

یہاں میں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ احسان بٹالوی اور ذوالفقار علی بھٹو میں تقریباً تمام باتیں مشترک ہیں۔ وہ بلا کے ذہین، منصوبہ بندی کے ماہر، اچھے مقرر، لائق مصنف اور صاحب شخصیت فرد ہیں مگر انہیں افراد کی شناخت نہیں ہے۔ وہ غلط لوگوں پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں، صحیح لوگوں کو اعتماد میں نہیں لیتے اور جلدی سے لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ جرمنی سے واپسی پر بھی یہی ہوا۔ یہاں انہوں نے ایسے لوگوں کی مدد سے حالات صحیح کرنے کی کوشش کی جو حالات کی اصل خرابی کے ذمہ دار تھے۔ نتیجہ وہی نکلا جو منطقی تھا۔ حالات بد تر ہو گئے۔

۳۰ ستمبر کو احسان بٹالوی نے مجھے اطلاع دی کہ انہوں نے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس میں مجھے مینجنگ ڈائریکٹر کا عہدہ دلوا دیا ہے اور یہ کہ ای سی ایف آئی میرے ٹیلنٹ اور انتظامی تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ میرے لئے معقول تنخواہ اور سہولتوں کا اعلان کیا گیا تھا۔ لہذا میں نے تجویز قبول کر کے دو اکتوبر کو اپنے عہدے کا چارج لے لیا۔

ای سی ایف آئی کے نئے مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے میں نے پہلے ہی دن

اکاؤنٹ سیکشن کو ہدایت کی کہ وہ کمپنی کے اثاثوں اور ذمہ داریوں کے گوشوارے مجھے پیش کرے۔ ان گوشواروں کے مطابق چند غیر ترقیاتی عہدوں میں رقم خرچ کرنے کے باوجود کمپنی کے اثاثے پانچ کروڑ ۶۱ لاکھ روپے تھے جن کے مقابلے میں سرمایہ کاری کے لئے وصول شدہ رقم صرف پانچ کروڑ دس لاکھ روپے تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمپنی پچاس لاکھ روپے یعنی دس فیصد منافع پر چلائی جارہی تھی۔ یہ صورت حال کسی بھی طرح مایوس کن نہیں تھی۔

۳ اکتوبر کو دفتر میں میرے ساتھ ایک وائس پریذیڈنٹ سید نسیم حسین جعفری نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا اور میں نے غصہ میں آکر چوبیس گھنٹے بعد ہی استعفیٰ دے دیا اور گھر آگیا۔ تاہم بعد میں احسان بٹالوی کی خواہش پر میں نے استعفیٰ کا کوئی فیصلہ ہونے تک کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ۴ اکتوبر کو جمعرات کی وجہ سے نصف دن کام ہونا تھا اس لئے میں دفتر نہیں گیا اور اگلے روز جمعہ کی وجہ سے میں نے کام نہیں کیا۔ چھ اکتوبر کو صبح مجھے پیغام ملا کہ دفتر پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے اس لئے میں کہیں روپوش ہو جاؤں میں اس وقت صدر بازار سے دفتر کی طرف آرہا تھا کہ راستے میں میری کار روک کر ایک شخص نے یہ پیغام دیا میں نے فوراً اپنی کار احسان بٹالوی کے گھر کی طرف موڑ دی تاکہ صحیح صورت حال کے علم کے بعد کوئی قدم اٹھاؤں۔ یہاں بھی راستے میں ایک شخص نے میری کار روک کر مجھے لوٹ جانے کا مشورہ دیا مگر میں نے یہ مشورہ نہیں مانا اور اس یقین کے ساتھ کہ اگر کوئی دھاندلی یا بدعنوانی ہوئی بھی ہوگی تو اس سے میرا دامن پاک ہے، میں نے خود احسان بٹالوی کے گھر جا کر پولیس سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔

میری گرفتاری

میں یہاں اس امر کا ضرور ذکر کروں گا کہ میں نے غیر ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اب تک ایک صحافی کی حیثیت سے نہایت آرام کی زندگی گذاری ہے۔ ۸۲ ملکوں کا سرکاری دورہ کر چکا ہوں۔ ۷ سال پاکستان کی سپیریر سروس میں رہا ہوں۔ ۱۷ اسربراہانِ مملکت اور ایک سو سے زائد اہم شخصیات کو جن میں رابرٹ کینیڈی اور ہنری کسینگر شامل ہیں انٹرویو کر چکا ہوں۔ فلپائن کے مردِ آہن رافائیل الی ٹو سے قطعی ذاتی دوستی کا شرف رکھتا ہوں اور ایران کے سابق وزیرِاعظم عباس ہویدا کے خاص ممدوحین میں رہ چکا ہوں۔ اس پس منظر نے نہ جانے کیوں مجھے پاکستان پولیس کے بارے میں کافی خوش فہمیوں کا شکار بنا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پولیس اچھی طرح اطمینان کئے بغیر کسی بھی شخص کا گناہ اور جرم ثابت ہوئے بغیر ہرگز اُسے گرفتار نہیں کرے گی۔ اس کی تذلیل نہیں کرے گی۔ اور اسے بلا وجہ اذیت و بدنامی کا نشانہ نہیں بنائے گی۔

اسی احساس نے مجھے پولیس کے سامنے پیش ہونے پر آمادہ کیا اور میں پوری جرأت سے احسان بٹالوی کی کوٹھی میں چلا گیا۔ یہاں کرائم برانچ کے انٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی آغا آصف، سٹی مجسٹریٹ باسط سہیل، پولیس کے چند سفید پوش اور باوردی افسر اور جوان، خاتون پولیس کی چند ارکان اور دیگر اشخاص موجود تھے۔ خاتون پولیس کی ارکان گھر کی تلاشی لے رہی تھیں۔ میرے داخل ہوتے ہی احسان اللہ خاں کے والد ثناء اللہ خاں صاحب نے میرا تعارف آغا آصف سے کرایا اور انہیں بتایا کہ میں ایکسپریس کمرشل کا مینجنگ ڈائریکٹر ہوں۔ میں نے بھی جوابی طور سے آغا آصف کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور بتایا کہ میں نے مینجنگ ڈائریکٹر کے عہدے پر صرف ۲۴ گھنٹے کام کیا ہے۔ میری توقعات کے عین مطابق یہ سنتے ہی آغا صاحب نے مجھے یقین دلایا کہ میں گرفتار نہیں ہوں اور یہ

کہ وہ صرف تفتیش کے دوران میرا تعاون حاصل کرنا پسند کریں گے۔ اس کے بعد میری توقعات سے بڑھ کر آغا آصف نے کلمہ طیبہ پڑھ کر مجھ سے کہا کہ وہ ہرگز بے گناہ لوگوں کو گرفتار کرنے نہیں آئے ہیں اور انصاف اُن کا اصل مشن ہے۔ تقریباً ایک بجے تک مجھے اپنے ساتھ رکھ کر آغا آصف نے مجھے گھر بھیج دیا اور شام کو چھ بجے کرائم برانچ آنے کی ہدایت کر دی۔

تاہم ۴ بجے پولیس کے کارندے میرے گھر آئے اور مجھے ہمراہ لے گئے۔ میری خواہش تھی کہ میں کم از کم اپنی ضعیف والدہ کو اس اچانک کارروائی سے مطلع کر دوں مگر مجھے اس کی مہلت نہیں دی گئی اور اس رویّے سے میں سمجھ گیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔
شام کو ۷ بجے میں بشیر احمد برانچ مینجر سمن آباد اور وائس پریذیڈنٹ سید نسیم حسین جعفری آغا آصف کی معیّت میں کرائم برانچ پہنچائے جا چکے تھے

یہاں آمد تک بھی ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم گرفتار ہیں یا آزاد؟ تاہم پولیس والوں کے رویّے اور جملے بازی سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ بُرا وقت آگیا ہے۔ ہماری سمجھ میں بہرحال یہ بات نہیں آرہی تھی کہ پولیس نے مجھ سے قبل کام کرنے والے مینجنگ ڈائریکٹر میاں حمید کو گرفتار کیوں نہیں کیا جبکہ وہ بلاشبہ اس پوزیشن میں تھے کہ کمپنی کے بارے میں تفتیش کے دوران پولیس کو بہت کچھ بتا سکیں، کمپنی کے دیگر وائس پریذیڈنٹ بھی گرفتار نہیں کئے گئے — پولیس نے سیّد نسیم حسین جعفری اور مجھے محض اس لئے گرفتار کر لیا تھا کہ ہم لوگ خلوص نیت اور صاف دل سے خود ہی پیش ہو گئے تھے۔ اسی طرح یہاں یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ گرفتاریوں کے سلسلہ میں پولیس نے کسی مستعدی کا مظاہرہ نہیں کیا اور محض "بچہ شتر" کو ہی گرفتار کیا گیا۔
پولیس دراصل احسان بٹالوی کی گرفتاری کے لئے آئی تھی۔ تاہم اس رات

احسان بٹالوی اپنے وکلاء سے مشورہ کے بعد وہیں سو گئے تھے اس لئے پولیس کے ہاتھ نہ آسکے تھے۔ ان کی گرفتاری میں ناکامی کے بعد "بچہ شتر" کی گرفتاری ضروری ہوگئی تھی۔

کرائم برانچ میں آغا آصف نے ہم لوگوں سے بلا شبہ بہت اچھا سلوک کیا۔ ہمیں کمرے میں رکھے ہوئے صوفوں پر بٹھایا گیا۔ ٹھنڈے مشروبات سے ہماری تواضع کی گئی اور اور آغا آصف نے بھی گفتگو میں نرمی برتی جس سے ایک بار پھر ہمارے خدشات دُور ہونے شروع ہوگئے۔ آٹھ بجتے تک آغا آصف کے کمرے میں متعدد پریس رپورٹر آچکے تھے۔ اُن میں سے تقریباً سب ہی میرے واقف اور دوست تھے۔ آغا آصف نے اُن سب کی آمد کے فوراً بعد اچانک مجھے، نسیم جعفری، اور بشیر احمد کو کھڑے ہو کر تصویریں بنوانے کو کہا۔ اس پر نسیم جعفری نے شدید احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں ہمارا جُرم بتایا جائے مگر آغا آصف اپنا بھرپور وار کر کے اگلی صبح ہمارا جُرم ثابت ہُوئے بغیر ہمیں اخبارات میں بدنام کرنے کی ٹھان چکے تھے اس لئے ہماری ایک نہ چلنے دی گئی اور فوٹو گرافروں نے تصویریں بنالیں۔ اس کے بعد ہمیں ایک اور کمرے میں بھیج دیا گیا اور آغا آصف نے ہماری عدم موجودگی میں ایک گھنٹے تک پریس رپورٹروں سے گفتگو کی۔ ان سے گفتگو کے بعد تمام رپورٹر مجھ سے ملنے دوسرے کمرے میں آئے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ آغا آصف کی دی ہوئی خبر کے ساتھ یہ بھی لکھ دیں کہ میں نے ایکسپریس کمرشل فنانس میں صرف چوبیس گھنٹے کام کر کے استعفٰی دے دیا تھا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ میں نے اپنے استعفٰی کی نقل بھی باضابطہ طور سے آغا آصف کے حوالے کر دی ہے۔

پریس رپورٹروں کے جانے کے بعد پولیس کے ایک سب انسپکٹر عبدالحئی نیازی نے ضروری کاغذی کارروائی مکمل کی اور رات کے دس بجے ہم تینوں کو ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اس کے بعد ہمیں پیدل چلا کر تھانہ پرانی انارکلی لے جایا گیا جہاں ہمیں

حوالات میں بند کر دیا گیا۔

مجھے اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا مگر میں اس بات پر حیران تھا کہ پولیس نے کون سے اختیارات استعمال کر کے ایک بے گناہ شہری کو اس کی اعلیٰ ترین تعلیمی قابلیت، پیشہ ورانہ پس منظر، صاف ستھرے ماضی اور قابلِ فخر خاندانی حالات کی پرواہ کئے بغیر اسے جانوروں کی طرح زنجیروں میں باندھا ہے اور کیوں اسے ایک ایسے سلوک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کا وہ ہرگز مستحق نہیں ہے۔

گرفتاری سے رہائی تک کی چار راتوں اور پانچ دنوں کی کہانی علیحدہ باب میں دی جا رہی ہے۔

گرفتاری کی خبریں

ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے دفتر پر چھاپے اور میرے رفقائے کار سمیت میری گرفتاری کی خبر کو مقامی اخبارات نے بڑی اہمیت دی اور تمام اخبارات نے اس خبر کو ۷ راکتوبر کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر دو سے چار کالمی سُرخیوں کے ساتھ شائع ۔ اگرچہ میں نے انٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی آغا آصف کی پریس کانفرنس میں تمام اخباری نمائندوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ میں نے ۲ راکتوبر کو کمپنی میں اپنے عہدے کا چارج لیا تھا اور ۳ راکتوبر کو مستعفی ہو گیا تھا ۔مگر میرے صحافی دوستوں میں سے صرف مساوات، مشرق اور حیات کے رپورٹر ایسے تھے ۔جنہوں نے پولیس کی خبر کے ساتھ میرا بیان شائع کرنا گوارا کیا ۔ روزنامہ آفاق کے رپورٹر صاحب نے جن کا ذکر اس کتاب میں مَیں نے علیحدہ کیا ہے ۔میرے بیان کو درخورِ اعتنا نہ سمجھ کر یہاں تک لکھ مارا کہ مَیں پاکستان میں لوگوں کی رقمیں ہتھیانے میں مشغول تھا کہ گرفتار کر لیا گیا۔

میری گرفتاری کی خبریں مختلف اخبارات میں جس انداز سے شائع ہوئیں ۔ وہ درج ذیل ہیں۔

روزنامہ مشرق نے اپنے سٹاف رپورٹر کے حوالے سے لکھا :-

لاہور ۶ راکتوبر (سٹاف رپورٹر) کرائمز برانچ پولیس نے آج ایکسپریس کمرشل فنانس

انٹرنیشنل لمیٹڈ گلبرگ کے منیجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یاسین رضوی۔ سینیئر وائس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو دھوکہ دہی اور خرد برد کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔ پولیس رات گئے تک کمپنی کے صدر احسان بٹالوی کو بھی تلاش کرتی رہی۔ تاہم ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ کیونکہ احسان بٹالوی نے مقامی عدالت سے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کرا لی ہے۔ پولیس نے ان افراد کے خلاف یہ کارروائی تھانہ گلبرگ میں درج ہونے والے دو مقدمات کے سلسلے میں کی ہے۔

پولیس نے آج احسان بٹالوی کی ایک کوٹھی ۶۵۔سی گلبرگ III پر چھاپہ مار کر وہاں سے احسان بٹالوی کی سات کاریں اور سامان جس میں فرنیچر کتابیں کمپنی کا ریکارڈ وغیرہ شامل ہے۔ قبضہ میں لے لیا اور تین دوسری کوٹھیوں کے سامان کو سربمہر کر دیا ہے۔ پولیس نے ڈاکٹر یاسین رضوی اور نسیم جعفری کو احسان بٹالوی کی کوٹھی سے گرفتار کیا ہے۔ جبکہ بشیر احمد کو اچھرہ سے گرفتار کیا گیا۔ گلبرگ پولیس نے گرفتار شدگان کے خلاف ایک مقدمہ صدر بازار لاہور کے محمد یعقوب کی شکایت پر ڈی ایس پی کرائمز برانچ آغا آصف کی رپورٹ پر درج کیا ہے۔ جبکہ دوسرا مقدمہ بھی لاہور چھاؤنی کے ایک نوجوان عمران ظفر کی رپورٹ پر درج کیا گیا ہے۔

گلبرگ پولیس نے محمد یعقوب کی رپورٹ پر جو مقدمہ درج کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ محمد یعقوب کے ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کی شاخ لاہور چھاؤنی میں اکاؤنٹ نمبر ۹۲۷ میں ایک ہزار چھ سو تینتالیس روپے ۳۲ پیسے موجود ہیں۔ ۲۳ ستمبر کو اس نے چیک کے ذریعے ایک ہزار روپے نکلوانا چاہے تو برانچ منیجر نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی کیش نہیں ہے۔ محمد یعقوب اگلے روز اپنی پوری رقم کا چیک لے کر پھر گیا تو منیجر نے کہا کہ وہ تمام رقم ہیڈ آفس میں جمع کرا چکے ہیں۔ محمد یعقوب ۳ اکتوبر کو ہیڈ آفس میں احسان بٹالوی سے برانچ منیجر کی شکایت کرنے گیا تو اسے ایک افسر نے ایک کمرے میں

لے جاکر کہا کہ یہ احسان بٹالوی ہیں۔ وہاں اسے ذلیل کیا گیا اور وہ واپس آ گیا۔ محمد یعقوب نے کہا کہ یہ رقم اس کمپنی میں امانت تھی جو خرد برُد کر لی گئی ہے۔

عمران ظفر نے کہا کہ اس کے والد ظفر احمد کا اکاؤنٹ نمبر ۶۵۵ ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ لاہور چھاؤنی میں ہے۔ اس کے والد نے اسے دو ہزار ۷۵ روپے کا چیک کیش کرانے کو دیا۔ جب وہ چیک لے کر کمپنی میں گیا تو منیجر نے اسے کہا کہ احسان بٹالوی سے رقم جا کر لو، عمران ظفر نے کہا کہ وہ کمپنی کے ہیڈ آفس گلبرگ گیا تو افسران نے اس کی بے عزتی کی اور کہا کہ رقم نہیں ہے۔ اس نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ یہ کمپنی ان سے فراڈ کر رہی ہے۔ انہیں ان کی رقم دلوائی جائے۔ پولیس نے بتایا کہ انہوں نے احسان بٹالوی کی کاریں اور سامان وغیرہ زیر دفعہ ۵۵۰ قبضہ میں لیا ہے۔

اے پی پی کے مطابق ایڈیشنل سیشن جج لاہور میاں عبدالرحمان نے ایکسپریس کمرشل فنانس کے پریذیڈنٹ مسٹر احسان بٹالوی کی عبوری ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی اور حکم دیا ہے کہ احسان بٹالوی کے خلاف درج مقدمات کا ریکارڈ ۱۸ اکتوبر کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ عبوری ضمانت بھی ۱۸ اکتوبر تک ہی منظور کی گئی ہے۔ فاضل عدالت کے رُو برُو جو درخواست ضمانت پیش کی گئی۔ اس کے مطابق احسان بٹالوی کی ضمانت تعزیرات پاکستان کی دفعات ۴۰۶ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۷۱ معہ کمپنی ایکٹ کی دفعہ ۱۲۲ اور ۲۸۲ اور بنکنگ آرڈی ننس کے تحت جرائم کے سلسلے میں منظور کی گئی ہے۔ فاضل عدالت نے ۲۰ ہزار روپے کی ضمانت منظور کرتے ہوئے اتنی ہی مالیت کا مچلکہ جمع کرانے کا حکم دیا ہے۔ احسان بٹالوی نے کہا ہے کہ پولیس نے انہیں جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا ہے۔ درخواست دہندہ کی طرف سے شاہد اقبال اور محمد غنی ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔

ڈاکٹر یاسین رضوی نے پولیس کو بتایا ہے کہ انہوں نے ۲ اکتوبر کو ایکسپریس کمرشل

فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ میں بطور منیجنگ ڈائریکٹر ملازمت اختیار کی تھی۔ جب اگلے روز انہیں پتہ چلا کہ اس کمپنی کے بارے میں لوگوں کو شکایات ہیں تو انہوں نے اسی روز یعنی ۳ اکتوبر کو احسان بٹالوی کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ آج وہ اپنے استعفٰی کے سلسلے میں احسان بٹالوی کی کوٹھی آئے ہوتے تھے کہ پولیس کی چھاپہ مار پارٹی نے انہیں بھی گرفتار کر لیا۔

امروز کے سٹاف رپورٹر نے لکھا:-

کرائمز انٹی وائس سکواڈ نے آج مجسٹریٹ عبدالباسط سہیل کی قیادت میں ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کی گلبرگ اور دیگر علاقوں میں واقع برانچوں پر چھاپے مار کر تین افراد کو گرفتار کر لیا ہے۔ کمپنی کے صدر احسان اللہ خاں بٹالوی کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ انہوں نے ایڈیشنل سیشن جج سے ضمانت قبل از گرفتاری منظور کرا لی تھی۔ پولیس نے ایکسپریس کمرشل فنانس کی سات نئی کاریں اپنی تحویل میں لے لی ہیں اور دوسری برانچوں سے ہزاروں روپے کی مالیت کا دوسرا سامان بھی قبضہ میں کر لیا ہے۔

گرفتار ہونے والوں میں کارپوریشن کے منیجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یاسین رضوی، سینئر وائس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد شامل ہیں۔ منیجنگ ڈائریکٹر اور سینئر نائب صدر کو ۶۵۔سی گلبرگ III سے احسان بٹالوی کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ پولیس کے بیان کے مطابق ایکسپریس کمرشل فنانس نے تقریباً ۴۰ کروڑ روپے خرد برد کئے ہیں۔ پندرہ کروڑ روپے مبینہ طور پر کینیڈا منتقل کر دیئے ہیں اور تقریباً پانچ کروڑ روپے کی سرگودھا میں زمین خریدی گئی ہے۔ پولیس نے ملزموں کے خلاف زیر دفعہ ۴۲۰ - ۴۰۶ - ۴۰۹ت پ مقدمات درج کر لئے ہیں۔

انٹی وائس سکواڈ نے یہ کارروائی تین افراد، صدر بازار لاہور کے محمد یعقوب۔ چوبرجی پارک کے نیر اقبال ہارون اور شمالی چھاؤنی کے عمران ظفر ڈار کی درخواست پر کی ہے۔

جنہوں نے الزام لگایا کہ کمرشل فنانس کی مختلف برانچوں میں انہوں نے رقم جمع کرائی لیکن مطالبہ پر وہ واپس نہیں ملی۔

انٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی آغا آصف نے بتایا کہ کرائمز برانچ نے ایکسپریس فنانس کے خلاف ان درخواستوں کی روشنی میں کارروائی کی ہے اور چھاپہ مار کر تین افراد کو گرفتار کر لیا ہے۔ چھاپہ مار پارٹی میں انسپکٹر عبدالحئی نیازی۔ لیڈی سب انسپکٹر مس شیر دیل، روحی تاجک آمنہ اور ثریا شامل تھیں۔

انہوں نے بتایا کہ احسان بٹالوی نے شادمان کالونی میں ایک مارکیٹ خریدی ہوئی ہے اور خرید و فروخت کا کاروبار مائی چوائس پراپرٹی ڈیلر کے ذریعہ کرتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ سعودی عرب میں بھی نیوکلیئر پر وسینگ سنٹر کی تعمیر کے لئے خط و کتابت جاری تھی۔

ایکسپریس کمرشل کی ملک بھر میں تقریباً ساڑھے چار سو برانچیں ہیں۔ گرفتار ہونے نائب صدر نسیم جعفری کا کہنا ہے کہ تقریباً ۱۵ کروڑ روپے جمع ہوئے تھے۔ جن میں سے پانچ کروڑ روپے کی جائیداد خریدی جا چکی ہے اور یہ کارپوریشن اب بھی اس پوزیشن میں ہے کہ لوگوں کے پیسے واپس کرے۔

روزنامہ نوائے وقت کی خبر اس طرح تھی :۔

لاہور ۶ اکتوبر (نمائندہ خصوصی) صوبائی کرائمز برانچ پولیس کے انٹی وائس سکواڈ نے ایکسپریس فنانس کارپوریشن کے دفتر واقع گلبرگ میں چھاپہ مار کر وہاں سے کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یٰسین رضوی۔ سینئر وائس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو گرفتار کر لیا ہے اور ان کے قبضے سے سات ایسی کاریں برآمد کر لی ہیں جو عوام کے روپے سے خریدی گئی تھیں۔ فنانس کارپوریشن کے پریذیڈنٹ مسٹر احسان بٹالوی نے سیشن عدالت سے ضمانت قبل از گرفتاری عبوری طور پر منظور کرا لی ہے۔ پولیس کو اس کارپوریشن کے بارے میں متعدد شکایات ملی تھیں۔ پولیس نے کارپوریشن کا تمام ریکارڈ

قبضے میں لے کر گلبرگ کے علاقے کے تین بنگلوں کو سر بمہر کر دیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ لاہور چھاؤنی کے دو افراد محمد یعقوب اور عمران ظفر نے انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کو درخواستیں دیں کہ انہوں نے ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن کی صدر بازار برانچ میں دو ہزار روپے اور گیارہ ہزار پانچ سو روپے جمع کرائے تھے۔ مگر جب اس برانچ سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تو ان کو برانچ سے دھکے مار کر باہر نکال دیا گیا۔ اسی طرح ٹھوکر نیاز بیگ برانچ میں ایک شخص نیر اقبال نے بھی اپنی رقم جمع کرا رکھی تھی۔ اس کو بھی واپس نہ ملی تو اس نے بھی اس صورتحال کے بارے میں پولیس حکام کو آگاہ کیا۔ جس پر کارروائی شروع کی گئی۔

پتہ چلا ہے کہ پولیس کی چھاپہ مار پارٹی نے آغا آصف ڈی ایس پی کی نگرانی میں گلبرگ میں چھاپہ مارا تو اس وقت وہاں ڈاکٹر یاسین رضوی اور نسیم جعفری موجود تھے۔ پولیس نے ان کو حراست میں لے لیا۔ تیسرے ملزم بشیر احمد کو اچھرہ سے گرفتار کیا گیا۔ پولیس نے بتایا ہے کہ ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن کی قریباً چار سو برانچیں پورے ملک میں ہیں اور ان برانچوں میں عوام کا قریباً ۴۰ کروڑ روپیہ جمع ہے۔ کمپنی کی طرف سے مختلف اضلاع میں کچھ اراضی خریدی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی آفس کے لئے کوٹھی کرایہ پر حاصل کی گئی ہے۔ وہاں کوٹھی کے مالک کو ایک ایک لاکھ روپیہ پیشگی رقم ادا کی گئی ہے۔ پولیس پارٹی نے لاہور کے علاوہ صوبہ کی مختلف برانچیں سر بمہر کر دی ہیں اور باقی برانچوں کے بارے میں حکومت کو درخواست کی ہے کہ وہ بھی سر بمہر کر دی جائیں۔

پولیس نے بتایا کہ آج جب پولیس پارٹی نے احسان بٹالوی کے گھر پر چھاپہ مارا تو اس وقت ان کے والد ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس ثنا اللہ خاں اور بھائی اے ایس آئی ذکاء الرحمان موجود تھے۔ تین کاریں تو کارپوریشن کے نام رجسٹرڈ تھیں۔ ان کو وہیں سے قبضے

میں لے لیا گیا اور باقی کاریں کارپوریشن کے دفتر سے حاصل کی گئیں۔ معلوم ہُوا ہے کہ متذکرہ کارپوریشن کی طرف سے لاکھوں روپے کی رقم کینیڈا بھجوا دی گئی۔ مزید تفتیش جاری ہے۔

احسان اللہ خان بٹالوی کی ضمانت

ایڈیشنل سیشن جج لاہور میاں عزیز الرحمان نے ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن کے پریذیڈنٹ احسان بٹالوی کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری عبوری طور پر منظور کرلی ہے۔ فاضل عدالت نے پولیس حکام کو ہدایت کی کہ وہ ۱۸ اکتوبر کو احسان بٹالوی کے خلاف مقدمے سے متعلق ریکارڈ عدالت میں پیش کریں۔ عدالت نے درخواست دہندہ کو حکم دیا کہ وہ ۲۰ ہزار روپے کا ضمانت نامہ بھی پیش کرے۔ درخواست ضمانت میں احسان بٹالوی نے لکھا ہے کہ پولیس نے اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ قائم کیا ہے۔

روزنامہ مساوات نے چار کالمی سُرخی سے یہ خبر اس طرح شائع کی :۔

کرائمز برانچ کے اینٹی وائس سکواڈ نے جعلی فنانس کمپنیوں کے خلاف اپنی مہم کے سلسلے میں آج مقامی مجسٹریٹ عبدالسہیل باسط کی نگرانی میں ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے مختلف دفاتر میں چھاپے مار کر مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر لیین رضوی، سینئر وائس پریذیڈنٹ مسٹر نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو گرفتار کرکے لاکھوں روپے کی مالیت کا سامان اور سات کاریں قبضہ میں لے لی ہیں۔ ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے پریذیڈنٹ مسٹر احسان بٹالوی نے ایڈیشنل سیشن جج لاہور میاں عبدالرحمان کی عدالت سے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی۔ سابق پولیس سب انسپکٹر کے صاحبزادے مسٹر احسان بٹالوی نے جو پولیس کے بقول پہلے یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ میں منیجر تھے۔ کچھ عرصہ قبل متذکرہ ادارہ قائم کیا تھا اور اس وقت ملک بھر میں اس کی ۴۰۰ شاخیں قائم تھیں۔ پولیس کے بقول وہ اب تک عوام سے کروڑوں روپے وصول کر چکے ہیں اور بیشتر سرمایہ بیرون ملک بھی پہنچا

چکے ہیں۔ کاروبار کے آغاز کے بعد انہوں نے پولیس کے بقول خود کو ہر شعبۂ زندگی کا ماہر ثابت کرنے کے لئے متعدد اقدامات کئے اور ان کی اخبارات کے ذریعے وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف کھیلوں کی کلبوں کے سرپرست، مقرر اور ادیب تھے۔ انہوں نے حال ہی میں انتخابات کے لئے لاہور سے کاغذات بھی دائر کئے جو مسترد کر دیئے گئے۔ انہوں نے پولیس کے بقول کچھ عرصہ قبل حکومت سعودی عرب کے ایٹمی توانائی کے پروگرام کے لئے سعودی عرب کی وزارت دفاع کو اپنی خدمات بھی پیش کی تھیں اور اس سلسلے میں حکومتِ سعودی عرب کے نام تحریر کئے گئے ایک مکتوب میں بتایا تھا کہ ان کا ایک ماہر کینیڈا کے اٹامک انرجی کمشن میں کام کر چکا ہے۔ پولیس نے بتایا کہ سعودی عرب نے اس سلسلے میں حکومت پاکستان سے بھی رابطہ قائم کیا تھا اور ان کے اس اقدام سے حکومت کی سبکی ہوئی تھی۔ مسٹر احسان بٹالوی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف لاہور کے مختلف تھانوں میں فریب دہی اور خیانت مجرمانہ کے الزام میں مقدمات درج کرا دیئے گئے ہیں۔ شکایت کنندگان میں چوبرجی پارک کے نیّر اقبال ہارون بھی ہیں۔ جنہوں نے پولیس کے بقول نیازبیگ برانچ میں گیارہ ہزار روپے جمع کرائے۔ لیکن اپنی ہمشیرہ کی شادی کے سلسلے میں انہوں نے رقم نکلوانے کی کوشش کی تو وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پولیس نے آج جن افراد کو گرفتار کیا ان میں ایکسپریس کمرشل فنانس کے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یٰسین رضوی بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر یٰسین رضوی اس سے قبل (مشرق) کی طرف سے تہران میں اس کے نمائندہ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر ۲ اکتوبر کو ہوا تھا۔ لیکن جب انہیں صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ وہ آج گلبرگ میں اپنے استعفیٰ کی منظوری ہی کے لئے آئے تھے، لیکن پکڑ لئے گئے۔

روزنامہ صداقت نے اس خبر کو ان الفاظ کے ساتھ شائع کیا :۔

جعلی فنانس کمپنیوں کے خلاف کرائمز برانچ کے اینٹی وائس سکواڈ کی مہم کے دوران

آج اینٹی وائس سکواڈ نے مقامی مجسٹریٹ عبدالسہیل باسط کی نگرانی میں معروف فنانس کمپنی ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے دفاتر پر چھاپہ مار کر ایکسپریس کمرشل فنانس کے مینیجنگ ڈائریکٹر ٹیلین رضوی، سینئر وائس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو گرفتار کر لیا ہے۔ ایکسپریس کمرشل فنانس کے پریذیڈنٹ احسان بٹالوی نے ایڈیشنل سیشن جج لاہور میاں عبدالرحمان کی عدالت سے عبوری ضمانت قبل از گرفتاری کرا لی ہے۔ بیس ہزار کی ضمانت اور اسی مالیت کے مچلکہ پر عبوری ضمانت کی منظوری دیتے ہوئے میاں عبدالرحمان نے اٹھارہ اکتوبر کے لئے حکومت کے نام نوٹس جاری کر دیا اور یہ حکم دیا کہ اسی روز مقدمے کا ریکارڈ عدالت میں پیش کیا جائے۔ احسان بٹالوی نے اپنی درخواست ضمانت میں کہا تھا کہ مجھے ایک جھوٹے مقدمے میں ملوث کیا گیا ہے۔

پولیس کے مطابق اس کمپنی کے اہل کاروں نے بلاسود بنکاری کی آڑ میں لوگوں کی کروڑوں روپے کی رقوم خرد برد کر لیں۔ اس میں سے بیشتر سرمایہ بیرون ملک بھجوایا جا چکا ہے۔ چھاپہ مار پارٹی نے اس کمپنی کے مختلف دفاتر میں چھاپے مار کر سات کاریں اور لاکھوں روپے کی مالیت کا دوسرا سامان اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ اینٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی نے ای سی ایف آئی کے سربراہ احسان بٹالوی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف مختلف تھانوں میں فریب دہی اور خیانت مجرمانہ کے الزام میں مقدمات درج کر دیئے ہیں۔ احسان بٹالوی جس کا پورا نام احسان اللہ خان بٹالوی ہے۔ پولیس کے مطابق یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ کا سابقہ منیجر ہے۔ جس نے کچھ عرصہ قبل ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے نام سے ملک میں بلاسود معیشت کے قیام کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ متعدد کتابیں بھی تصنیف کر چکا ہے اور اس کے ادارے کی اس وقت ملک بھر میں چار سو برانچیں ہیں۔ احسان بٹالوی نے جو سابق سب انسپکٹر پولیس ثناء اللہ خاں کا لڑکا ہے۔ لاہور کے ایک حلقہ

سے قومی اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے ۱۷ نومبر کے انتخابات کے لئے کاغذاتِ نامزدگی بھی داخل کرائے تھے۔ احسان بٹالوی نے اس ادارے کے قیام کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ہر شعبہ زندگی میں مہارت کا ثبوت دینے کے لئے اقدامات کئے تھے۔ اس نے حال ہی میں حکومتِ سعودی کو ایٹمی توانائی کے مرکز کے لئے خدمات کی پیش کش کی تھی اور بتایا تھا کہ اس کا ایک ڈاکٹر ساتھی کینیڈا کے اٹامک کمشن میں کام کر چکا ہے۔ پولیس کے مطابق کچھ عرصہ سے متعدد افراد شکایات کر رہے تھے کہ انہوں نے ایکسپریس کمرشل فنانس کی مختلف برانچوں میں رقومات جمع کرائیں۔ لیکن جب انہوں نے رقم نکلوانے کے لئے چیک دیئے تو انہیں رقومات نہ ملیں۔ جبکہ ان کی رقوم اس وعدے پر جمع کی گئی تھیں کہ یہ ان کے پاس امانت ہیں اور ضرورت پڑنے پر انہیں دے دی جائیں گی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ اس طریقے سے یہ ادارہ اب تک لوگوں کے کروڑوں روپے ہتھیا چکا ہے۔ اس ادارے کے منیجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یاسین رضوی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ تہران میں ایک مقامی اخبار کے نمائندہ تھے اور احسان بٹالوی سے ملاقات کے بعد وہ اس کمپنی میں ملازم ہو گئے۔

روزنامہ آفاق کے "رپورٹر" نے چار کالمی خبر اس طرح شائع کی:۔

لاہور ۶ اکتوبر (سٹاف رپورٹر) کرائم برانچ پولیس کے اینٹی وائس سکواڈ نے جعلساز فنانس کمپنیوں کے خلاف جو آپریشن شروع کر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں آج ڈی ایس پی آغا محمد آصف نے مقامی مجسٹریٹ مسٹر باسط سہیل کی معیت میں ملک کی مشہور و معروف ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن کے پریذیڈنٹ مسٹر احسان بٹالوی کی کوٹھی گلبرگ میں چھاپہ مار کر مذکورہ فنانس کمپنی کے تین اہم عہدے داروں منیجنگ ڈائریکٹر یٰسین رضوی سینئر وائس پریذیڈنٹ مسٹر جعفری اور فرم کے منیجر مسٹر بشیر احمد کو

گرفتار کر لیا۔ جبکہ مسٹر احسان بٹالوی پولیس کے ہاتھ نہ آسکے۔ پولیس کی چھاپہ مار پارٹی نے احسان بٹالوی کی کوٹھی اور گلبرگ کے علاقہ میں مختلف دفاتر سے سات کاریں اور ہزاروں روپے مالیت کا سامان بھی قبضہ میں لیا ہے۔ جو پولیس ٹرکوں میں ڈال کر کرائم برانچ ہیڈ کوارٹر میں لے آئی ہے۔ مسٹر احسان بٹالوی کی گرفتاری کے لئے پولیس سرگرمی سے چھاپے مار رہی ہے۔ آج شام کرائم برانچ ہیڈ کوارٹر میں اینٹی وائس سکاڈ کے ڈی ایس پی آغا محمد آصف نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ احسان بٹالوی اور اس کے ساتھیوں نے عوام کو دھوکا دیکر اب تک اندازاً چالیس پچاس کروڑ روپیہ ان سے ہتھیایا ہے۔ جس میں سے پندرہ کروڑ روپے کی رقم احسان بٹالوی نے کینیڈا میں منتقل کر دی ہے۔ عوام نے ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن میں جو رقوم جمع کرائی تھیں۔ اس روپے سے احسان بٹالوی نے شادمان کالونی میں ایک پراپرٹی ڈیلر مائی چائس کے پروپرائٹر جاوید کی معرفت دو کروڑ روپے کی ایک مارکیٹ خریدی ہے۔ اس کے علاوہ صوبہ کے مختلف اضلاع میں عوام سے لوٹے ہوئے روپے سے احسان بٹالوی نے زمینیں خریدیں جن کی مجموعی مالیت ساڑھے چار کروڑ روپے کے قریب ہے اور اس وقت مذکورہ فنانس کمپنی کے حساب میں صرف چھ کروڑ روپیہ موجود ہے۔ آغا آصف نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ اس وقت پورے ملک میں ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن کی چھ سو برانچیں کام کر رہی ہیں۔ جنہیں فوری طور پر سربمہر کر دیا گیا ہے۔ صرف گلبرگ کے علاقہ میں احسان بٹالوی نے تین کوٹھیاں اسی غرض کے لئے کرایہ پر لے رکھی ہیں اور ایک کوٹھی ۶۵/C میں احسان بٹالوی کی اپنی رہائش ہے۔ باقی دو کوٹھیوں میں کمپنی نے لاکھوں روپے کی رقوم پیشگی کے طور پر دی ہوئی ہیں۔ آغا محمد آصف نے بتایا کہ آج صبح منہ اندھیرے جب احسان بٹالوی کی کوٹھی پر چھاپہ مارا گیا تو اس وقت کوٹھی نمبر C/۶۵ میں احسان بٹالوی کا والد ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس ثناء اللہ خان، اس کا بھائی ذکاء اللہ خان جو اے ایس آئی

ہے اوران دنوں سیالکوٹ میں تعینات ہے اور احسان بٹالوی کی بیوی شمع نور موجود تھی جنہیں مسٹر احسان بٹالوی کی گرفتاری کے لئے وارنٹ دکھائے گئے۔ اس کے بعد کوٹھی کی تلاشی لی گئی اور وہاں سے تین کاریں اور کافی مقدار میں سامان اور گلبرگ کی دوسری کوٹھیوں پر چھاپے مار کر وہاں سے چار کاریں اور دوسرا سامان قبضہ میں لیا گیا۔ اس تمام کارروائی کے دوران مقامی مجسٹریٹ مسٹر باسط سہیل پولیس پارٹی کے ہمراہ رہے۔ تفتیشی افسر آغا آصف نے انکشاف کیا کہ احسان بٹالوی کا پورا نام احسان اللہ خاں بٹالوی ہے جو قبل ازیں یونائیٹڈ بنک میں بطور کلرک بھرتی ہوا اور سات سال تک ملازمت کی اور منیجر کے عہدے سے استعفیٰ دیا۔ احسان بٹالوی نے ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اکنامکس کا امتحان پاس کیا۔ یونائیٹڈ بنک سے مستعفی ہونے کے بعد اس نے اور اس کے ساتھیوں امین کھوکھر اور پرویز اختر نے مل کر مجموعی طور پر ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم سے ایکسپریس کمرشل فنانس کارپوریشن قائم کی اور کاروبار شروع کیا۔ احسان بٹالوی کی بیوی شمع نور بھی الائیڈ بنک میں ملازمت کرتی رہی ہے۔ احسان بٹالوی کا ساتھی امین کھوکھر بھی حبیب بنک میں ملازم تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے عوام کو لوٹنے کے لئے بڑے منظم طریقہ سے ملک بھر میں فنانس کمپنیوں کا جال بچھایا اور عوام کو جی بھر کر لوٹا۔ آغا آصف نے کہا کہ احسان بٹالوی کی فنانس کمپنیوں میں لاہور کے ایک شخص اسلم ضیاء نے اگست میں دو لاکھ روپے رقم جمع کرائی جو باوجود مطالبہ کے اسے واپس نہیں کی گئی۔ منیجر بشیر احمد کی گرفتاری کے متعلق اخبار نویسوں کو بتایا کہ جب پولیس نے احسان بٹالوی کی گرفتاری کے لئے اس کی کوٹھی پر چھاپہ مارا تو اچھرہ کے علاقہ سے اس نے فون کیا کہ میں ایک شخص سے ۸۲ ہزار روپے کی وصولی کرنے میں مصروف ہوں۔ فون پولیس پارٹی نے سنا اور اچھرہ کا پتہ معلوم کر کے وہاں پہنچ گئی۔ جہاں سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا کہ پرویز اصغر کینیڈا کے شہر برلنگٹن میں سائنسدان ہے اور ان دنوں احسان بٹالوی کے

ساتھ مل کر کام شروع کر رہا ہے۔ "رپورٹر" صاحب نے اس خبر کی تفصیل دینے کے بعد سے جملہ اپنی طرف سے بڑھایا کہ :-

"مینجنگ ڈائریکٹر لیئین رضوی کے متعلق پتہ چلا ہے کہ وہ تہران میں روزنامہ مشرق کا نمائندہ ہے اور آج کل پاکستان میں لوگوں سے رقوم ہتھیلانے میں مصروف تھا کہ پکڑ لیا گیا۔" احسان بٹالوی اور ان کے ساتھیوں نے سعودی عرب سے کروڑوں روپے ہتھیانے کے لئے بھی ایک منظم پروگرام ترتیب دیا اور حکومت کو ایک خط لکھا کہ وہ یہاں اٹامک انرجی کا ایک سنٹر کھولنا چاہتے ہیں۔ پر یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا اور اس طرح پوری قوم کو شرمندہ ہونا پڑا۔ آخر میں آغا محمد آصف نے انکشاف کیا کہ انٹرنیشنل کمرشل فنانس کمپنی پر چھاپے پڑنے کے بعد مسٹر احسان بٹالوی روپوش ہو گئے اور رات بسر کرنے کے لئے مختلف مقامات پر سوتے رہے۔

آغا آصف نے بتایا کہ ایک دو روز میں مذکورہ کمپنی کی برانچوں سے سارا سامان قبضہ میں لے لیا جائے گا۔ جو اس وقت موجود ہے اور مزید افراد کی گرفتاریوں کی توقع ہے۔

روزنامہ حیات نے میری گرفتاری کی خبر مندرجہ ذیل الفاظ سے شائع کی :-

لاہور ۶ اکتوبر (سٹاف رپورٹر) پاکستان کی تمام فنانس کارپوریشنوں کو بند کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پی آئی اے اور دوسری تمام ائرلائنوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ کسی فنانس کارپوریشن کے مالک یا اس سے متعلقہ کسی اتھارٹی کو کسی بھی غیر ملک کی ٹکٹ نہ دی جائے اور ائیرپورٹ سکورٹی فورس کو فنانس کارپوریشنوں سے متعلقہ افراد کے ناموں کی لسٹیں فراہم کر دی ہیں اور حکم جاری کر دیا گیا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شخص بیرون ملک فرار ہونے کی کوشش کرے تو اس کا پاسپورٹ ضبط کر لیا جائے۔ یہ بات آج یہاں نہایت باخبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق جعلی فنانس کمپنیوں کے خلاف کرائمز برانچ کے انٹی وائس سکواڈ کی مہم کے دوران آج انٹی وائس سکواڈ نے

مجسٹریٹ سہیل باسط کی نگرانی میں معروف فنانس کمپنی ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے دفاتر میں چھاپے مار کر ایکسپریس کمرشل فنانس کے مینجنگ ڈائریکٹر لیسین رضوی، سینئر وائس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو گرفتار کر لیا ہے۔ ایکسپریس فنانس کے پریذیڈنٹ احسان بٹالوی نے ایڈیشنل سیشن جج لاہور۔ میاں عبدالرحمان کی عدالت سے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی ہے۔

پولیس کے مطابق اس ادارے نے بلاسود بینکاری کی آڑ میں لوگوں سے کروڑوں روپے کی رقوم حاصل کر کے خرد برد کر لیں جس میں سے بیشتر سرمایہ بیرون ملک بھجوایا جا چکا ہے۔ چھاپہ مار پارٹی نے اس کمپنی کے مختلف دفاتر پر چھاپے مار کر سات کاریں اور لاکھوں روپے مالیت کا دوسرا سامان اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ احسان بٹالوی جن کا پورا نام احسان اللہ خان بٹالوی ہے پولیس کے مطابق یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کے سابقہ منیجر تھے جنہوں نے حال ہی میں ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے نام سے ملک میں بلاسود معیشت کے قیام کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ متعدد کتابیں بھی تصنیف کر چکے ہیں۔

انہوں نے حال ہی میں حکومت سعودی عرب کو ایٹمی توانائی کے مرکز کے لیے خدمات کی پیشکش کی تھی اور بتایا تھا کہ ان کے ایک ڈاکٹر کینیڈا اٹامک کمیشن میں کام کر چکے ہیں۔ اینٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی نے احسان بٹالوی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف مختلف تھانوں میں فریب دہی اور خیانت مجرمانہ کے الزام میں مقدمات درج کرا دیئے ہیں جن کے مدعیوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے ایکسپریس کمرشل فنانس کی مختلف برانچوں میں رقومات جمع کرائیں لیکن جب انہوں نے رقم نکلوانے کے لیے چیک دیئے تو انہیں رقومات نہ ملیں جب کہ ان کی رقوم اس وعدے پر جمع کی گئی تھیں کہ یہ ان کے پاس امانت ہیں اور ضرورت پر انہیں دے دی جائیں گی۔ نئے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر لیسین رضوی جنہیں پولیس نے گرفتار کیا ہے۔ ان کا تقرر ۲ ر اکتوبر کو ہوا تھا۔ ڈاکٹر لیسین رضوی تہران میں ایک مقامی اخبار کے نمائندے تھے۔ ڈاکٹر لیسین رضوی کا کہنا ہے کہ اپنی تقرری کے

بعد صورت حال کا علم ہوتے ہی انہوں نے احسان بٹالوی کو استعفیٰ بھی پیش کر دیا تھا جو ابھی تک منظور نہیں ہوا اور آج وہ اپنا استعفیٰ کی منظوری کے سلسلے میں احسان بٹالوی بٹالوی سے ملنے گئے تھے کہ چھاپہ مار پارٹی نے انہیں پکڑ لیا۔

ایک اخبار نے لکھا:

نام نہاد فنانس کمپنیوں کی جانب سے ہونے والی زبردست دھوکہ بازیوں کی وجہ سے کرائمز برانچ نے جو تحقیقات شروع کی ہوئی ہیں آج اس سلسلے میں ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے مالک احسان بٹالوی، ڈاکٹر یاسین رضوی مینجنگ ڈائریکٹر نسیم جعفری سنیئر وائس پریذیڈنٹ اور مینجر بشیر احمد کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعات ۴۰۶، ۴۲۰ اور ۱۰۹ کے تحت مقدمات درج کر لیے اور احسان بٹالوی کے علاوہ متذکرہ تینوں ملزموں کو گرفتار کر لیا۔ ان ملزموں پر متعدد افراد کی شکایات پر دھوکہ دہی کے مقدمات درج کئے گئے ہیں اور کرائمز برانچ کے انٹی وائس سکواڈ کی جانب سے گزشتہ کئی دنوں سے ایسی دھوکہ باز کمپنیوں کی تحقیقات کے بعد ملزموں کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک بعض فنانس کمپنیوں کے مالکان ڈائریکٹروں اور ملازمین کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ آج انٹی وائس سکواڈ کے ڈی ایس پی آغا آصف اور مجسٹریٹ سہیل باسط کی سرکردگی میں احسان بٹالوی اور دیگر ملزموں کو گرفتار کرنے کے لیے چھاپے مارے گئے۔ کیونکہ تحقیقات کے دوران پولیس کو معلوم ہوا کہ اس نے لوگوں کے کروڑوں روپے خرد برد کر لئے ہیں مزید برآں پندرہ کروڑ روپیہ غیر قانونی طور پر کینیڈا منتقل کر دیا ہے۔ یہ بھی تحقیقات کے دوران ہی معلوم ہوا کہ احسان بٹالوی نے سعودی عرب کے وزیر برائے دفاع اور ایوی ایشن کو ایک جعلی خط لکھا کہ وہ سعودی عرب میں ایٹمی توانائی کا سنٹر بنانے کے لیے سعودی حکومت کی مدد کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں احسان بٹالوی نے کینیڈا کی ایک ایٹمی توانائی کی کمپنی کا حوالہ پیش کیا جو کہ بالکل بوگس تھا۔ اس پر سعودی عرب کی حکومت نے اس کے خط کی نقل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن اور حکومت پاکستان کو ارسال

کی کہ احسان بٹالوی کے نام سے ایک شخص نے اس قسم کا خط لکھا ہے۔ تاہم کینیڈا کی فرم کا نام نہیں دیا گیا اس لیے براہِ کرم اس بارے میں تفصیلات ارسال کی جائیں لیکن انکوائری کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تمام کام جعلی تھا اس طرح جھوٹی شہرت کی خاطر اس شخص نے حکومت پاکستان کو بھی بدنام کرنے کی کوشش کی۔ آج جب کرائمز برانچ کے انٹی وائس سکواڈ نے احسان بٹالوی کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے گھر میں بمع زنانہ پولیس کے چھاپہ مارا تو وہ گھر میں موجود نہ تھا۔ تاہم اس کا والد جو ایک ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہے اور ایک بھائی جو پولیس میں اے ایس آئی کے عہدے پر فائز ہے موجود تھے۔ جن کی موجودگی میں متعلقہ پولیس آفیسر نے ریکارڈ کو قبضے میں کر لیا ہے۔ اسی طرح ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے ہیڈ آفس واقع گلبرگ پر بھی چھاپے مار کر متعلقہ ریکارڈ قبضے میں لے لیا ہے اور لوگوں کے روپے سے حاصل کردہ سامان تعیش جن میں سات کاریں بھی شامل ہیں اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کارروائی کے بعد اس ہیڈ آفس کو سربمہر کر دیا گیا۔

احسان بٹالوی گزشتہ کئی دنوں سے پولیس کی تحقیقات کی بناء پر گھر میں رہنے کی بجائے مختلف جگہوں پر سوتا رہا جس کی وجہ سے پولیس اُسے گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ پولیس کی تحقیقات سے یہ بات منظر عام پر آئی ہے کہ اس شخص نے صرف ڈیڑھ لاکھ روپے سے دو آدمیوں کے ساتھ مل کر یہ دھندا شروع کیا اور اب تک لوگوں کا چالیس کروڑ روپیہ ہتھیا چکا ہے جس میں سے ۵ کروڑ روپیہ بیرون ممالک اور ۱/۲ ۴ کروڑ روپے کی مختلف اضلاع میں اراضی خرید چکا ہے۔ کرائمز برانچ نے یہ کارروائی محمد یعقوب، ظفر عمران اور نیر اقبال ہارون کی جانب سے درج کرائی جانے والی ابتدائی رپورٹوں پر کی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل نے اُن کا روپیہ ہتھیا لیا ہے اور اب اُن کی رقم واپس نہیں کی جا رہی بلکہ اُلٹا انہیں دھمکایا جا رہا ہے۔ انہوں نے پولیس سے استدعا کی ہے کہ ان کی رقم واپس دلائی جائے۔ اس ضمن میں پولیس کو ملک کے چاروں صوبوں سے اسی

قسم کی متعدد رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں کیونکہ متذکرہ نام نہاد ادارے کی پورے ملک میں چارسو شاخیں قائم کر کے لوگوں سے رقمیں ہتھیا لی گئی ہیں۔ پولیس کے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں انتہائی اہم انکشافات متوقع ہیں۔ ایڈیشنل سیشن جج لاہور میاں عبدالرحمان نے آج ایکسپریس کمرشل فنانس کے صدر مسٹر احسان بٹالوی کی عبوری ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی اور حکومت کو ۱۸ اکتوبر تک نوٹس جاری کر دیا۔

دو اہم فیچرز

روزنامہ مشرق کے فیچر رائٹر اور معروف صحافی جناب ریاض بٹالوی نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی خصوصی اشاعت میں فنانس کمپنیوں کے بارے میں ایک تحقیقی فیچر قلمبند کیا جو ریکارڈ کی خاطر درج ذیل ہے :-

پولیس کے خصوصی عملے اینٹی وائس سکواڈ نے انسپکٹر جنرل پنجاب کی ہدایت پر اور کرائمز برانچ کے ڈی آئی جی کی نگرانی میں لاہور کی چند فنانس کمپنیوں کے خلاف انضباطی کارروائی کی ہے۔ اس کارروائی کے نتیجہ میں نہ صرف بعض عہدیداروں کی گرفتاری عمل میں آئی ہے بلکہ ان اداروں کے مرکزی دفاتر اور ذیلی شاخوں کو بھی سر بمہر کر دیا گیا ہے۔ جن مالیاتی کمپنیوں کا محاسبہ ہوا ہے ان میں ایکسپریس کمرشل انٹرنیشنل لمیٹڈ، پاک انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن اور السعودیہ انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ لمیٹڈ کا نام قابل ذکر ہے۔ مذکورہ کمپنیوں پر دھوکہ دہی، غبن اور بددیانتی کے الزامات کے ساتھ ساتھ ایک سنگین الزام یہ بھی ہے کہ مالکان اور عہدیداروں نے عوام کی دولت کا غلط اور ناجائز استعمال کیا ہے اور کروڑوں روپے کا سرمایہ بیرون ملک بھجوا دیا ہے۔

اینٹی وائس سکواڈ نے تین کمپنیوں کے مرکزی دفاتر پر چھاپے کے دوران ضروری ریکارڈ کے علاوہ جس نوعیت کے سامان پر قبضہ کیا ہے۔ ان میں جدید ماڈل کی کاریں، قیمتی صوفے،

لگژری بیڈ اور دفتری فرنیچر شامل ہے۔ قیمتی کاریں مالکان اور عہدیداروں کے تصرّف میں رہتی تھیں جبکہ دفتروں میں ریشمی پردوں، ٹیلیویژن سیٹوں اور گدے دار بستروں پر مشتمل نہایت پُراسرار بیڈ رومز بھی بنے ہوتے تھے۔ بعض مقامات سے سوسائٹی گرلز کی نیم عریاں تصاویر بھی ملی ہیں۔ کمپنیوں کے مالکان نے اپنے دفتروں کی آرائش و زیبائش پر عوام کا روپیہ دل کھول کر خرچ کیا ہے اور ایک اندازے کے مطابق ان کا ایک ایک بیڈ ۲۰ ہزار روپے کی مالیت کا ہے۔ جبکہ کاروں کی قیمت لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالکان اور ڈائریکٹروں نے بھاری تنخواہوں کی وصولی کے علاوہ اثاثوں اور جائداد میں لین دین کے دوران لاکھوں روپے کا گھپلا کیا ہے اور یہ رقم ان کی جیبوں میں جاتی رہی ہے۔

مثال کے طور پر:۔

السعودیہ کے بارلیش وائس پریذیڈنٹ سیّد حسنین اقبال کی تنخواہ چار ہزار روپے ماہوار تھی اور اس کے پاس ۳، ۷ اور ۰، ۷ کی دو مارک I گاڑیاں تھیں۔ اس نے فیصل آباد زون سے ۱۳ لاکھ روپیہ جمع کیا۔

پاک انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر خالد یسین کی تنخواہ پانچ ہزار روپے تھی۔ اس کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ اس نے جھنگ زون سے چھ لاکھ روپیہ ہتھیایا۔

سادرا انٹرپرائز لمیٹڈ کے مالک اصغر وحید شیخ کو لوگوں نے اس حال میں دیکھا کہ وہ ہوٹل انٹرکون کے سوئمنگ پول کے کنارے دو نیم برہنہ لڑکیوں کے درمیان بیٹھا جولائی ستمبر کے گرم اور تیز موسم میں "سن باتھ" کر رہا تھا اس نے اپنے لئے مزدا اور مارک II کاریں مخصوص کر رکھی تھیں۔ السعودیہ اور پاک انٹرنیشنل کا کرتا دھرتا اکرم نسیم اوکاڑہ کے ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور نیم خواندہ آدمی ہے۔ اس کے ذاتی تصرّف میں پانچ کاریں تھیں جن میں ۸۰، ۷ ماڈل کی بلیو مرسیڈیز بھی شامل ہے۔

ولیسٹ اینڈ الیسٹ فنانس لمیٹڈ کا ہیڈ آفس لارنس روڈ کی ایک خوبصورت کوٹھی میں قائم ہے۔ اس کے مالکان اور عہدیداروں نے اپنے استعمال کے لئے جدید ماڈل کی دس گاڑیاں مخصوص کر رکھی ہیں۔

یونائیٹڈ کمرشل فنانس کارپوریشن کا بانی ڈائریکٹر چوہدری داؤد ایک بنک میں جونیئر افسر تھا وہاں سے سنگین الزامات کے تحت نکلا تو مالیاتی ادارہ قائم کر لیا۔ اکثر بیرونی ملکوں کے دورے پر رہتا ہے اور گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر شانِ بے نیازی سے پائپ پیتا ہے۔ اس کے بارے میں افواہ ہے کہ اس نے جدید ماڈل کی ایک مرسیڈیز کار ایک ایکٹریس کو تحفے کے طور پر دی ہے۔

انڈسٹریل اینڈ کمرشل فنانس لمیٹڈ کے مالک کا تعلق گجرات سے ہے۔ صفدر نامی یہی وہ شخص ہے جس نے پاکستان میں پہلی فنانس کمپنی قائم کی۔ وہ نجی مالیاتی ادارے کے قیام کا تصوّر یورپ سے لایا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے اپنا کارخانہ جس کی مالیت تین لاکھ روپے سے زائد نہیں تھی ۲۳ لاکھ روپے کے عوض کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس شخص کے اربابِ اقتدار اور سیاستدانوں سے گہرے تعلقات ہیں اس لئے احتساب سے بچ گیا ہے

حیدری فنانس کارپوریشن کے چیئرمین مرتضےٰ پویا ایک صنعت کار ہیں۔ کمپنی کی وساطت سے کروڑوں روپیہ جمع کر چکے ہیں۔ جبکہ ان کے عہدیدار تین ہزار سے دس ہزار روپے ماہوار تنخواہ وصول کرتے ہیں اور کم و بیش ان کے پاس گیارہ گاڑیاں ہیں۔

ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے مالکان اور عہدیدار دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی کمپنی سب سے بڑی ہے اور بقول انتظامیہ وہ کئی تعمیراتی منصوبوں پر عمل کر رہی ہے۔ اس ادارے کے روحِ رواں احسان اللہ خاں المعروف بہ احسان بٹالوی ہیں۔ یہ صاحب حبیب بنک میں ملازم تھے اور پولیس ریکارڈ کے مطابق غبن کے الزام میں نکالے گئے تھے۔ خواجہ دل محمد روڈ کے ایک درمیانے درجے کے گھر میں رہنے والے احسان اللہ خان نچلے طبقے سے تعلق

رکھتے ہیں اور اوسط درجے کے شہری ہیں۔ لیکن مالیاتی ادارہ قائم کر کے وہ گلبرگ کی ایک عالیشان کوٹھی میں منتقل ہو گئے اور دنوں میں تنقید، سیاسیات، مالیات اور افسانوں اور نظموں کی کئی کتابوں کا مصنف بن گئے۔ عام تاثر یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی پبلسٹی پر نو لاکھ روپے سے زائد رقم خرچ کی ہے اور اخبارات اور رسائل میں اپنے سہ رنگے انٹرویو چھپوانے کے لئے منہ مانگا معاوضہ دیا ہے۔ بیواؤں اور یتیموں کی رقوم سے انہوں نے بعض اداروں کو چندے بھی دیتے اور عالیشان ہوٹلوں میں "دانشوروں" کو دعوتیں بھی کھلائیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ پاکستان کے صحافی ان کی جیب میں ہیں اور مالیات کے بارے میں نافذ ہونے والے ہر آرڈی ننس کی کاپی انہیں پہلے ہی مل جاتی ہے۔

حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ کے مطابق احسان اللہ خاں المعروف بہ احسان ٹبالوی ملکی مفاد کے خلاف بعض سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ کروڑوں روپیہ بیرونِ ملک منتقل کر چکے ہیں اور ایک برادر اسلامی ملک کی حکومت سے سرمایہ ہتھیانے کے لئے اُسے دفاعی منصوبوں میں مدد کا جھانسہ دے رہے تھے۔ پولیس نے اس کمپنی کی دس کاروں پر قبضہ کیا ہے۔ ان میں تین کاریں احسان اللہ کے ذاتی تصرّف میں تھیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق پورے ملک میں اس نوعیت کے نجی مالیاتی اداروں کی تعداد کم و بیش ایک سو اسّی کے لگ بھگ ہے۔ سو کے قریب ادارے پرائیویٹ کمپنیز ایکٹ ۱۹۱۳ء کے تحت رجسٹرڈ ہیں اور باقی کمپنیوں نے رجسٹریشن کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ کوئی شہر اور قصبہ ایسا نہیں جہاں کسی کمپنی کی شاخ قائم نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان شاخوں کی تعداد کسی صورت تین ہزار سے کم نہیں اور وہ لوگوں کو بھاری منافع کا لالچ دے کر تین اور چار ارب روپے کے درمیان رقم جمع کر چکی ہیں۔

مالیاتی اداروں نے اس ضمانت پر لوگوں سے روپیہ جمع کیا تھا کہ وہ ان کی رقم کو ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کریں گے اور ان کا منافع حاصل شرح کے حساب سے اکاؤنٹ ہولڈروں

میں تقسیم کریں گے۔ اور یہ کہ اکاؤنٹ ہولڈروں کو یہ بھی تاثر دیا گیا تھا کہ ایک دن کے نوٹس پر رقم کی واپسی بھی ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سٹاف کو بھاری تنخواہوں پر ملازم رکھا اور انہیں یہ لالچ دیا کہ وہ جتنا زیادہ ڈیپازٹ لائیں گے اسی حساب سے انہیں ترقی دی جائے گی۔ بعض کمپنیوں نے "ڈیپازٹ" کو ملازمت کی بنیاد بنایا اور ضرورت مندوں سے کہا کہ ڈیپازٹ لاؤ اور ملازمت حاصل کر لو۔

ابتدا میں مالیاتی اداروں کے مالکان اور عہدیداروں نے لوگوں کو یہی تاثر دیا کہ ان کی کمپنیوں کی حیثیت بنکوں کی سی ہے۔ چنانچہ رقم کے لین دین کا وہی طریقہ اختیار کیا گیا جو بنکوں میں مروج ہے۔ وہی ڈیپازٹ سلپیں اور چیکوں کی طرز کے وہی وِدڈرال فارم۔ لیکن جب بنکنگ کونسل اور سٹیٹ بنک نے اس طریق کار پر اعتراض کیا تو انہوں نے بنکوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ بنک سرمایہ کاری کے شعبہ میں اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ سٹیٹ بنک کے انتباہ کے باوجود مالیاتی اداروں نے اپنا طریقِ کار تبدیل نہ کیا۔ البتہ انہوں نے سٹیشنری کے نام تبدیل کر لئے۔

مالیاتی کمپنیاں کیسے قائم ہوئیں ؟

مشرق کی معلومات کے مطابق نجی سیکٹر میں پہلی مالیاتی کمپنی گجرات کے ایک معمولی صنعت کار مسٹر صفدر نے آئی۔ سی۔ ایف کے نام سے قائم کی اور اس طرح جو سرمایہ جمع ہوا وہ اپنے نجی کاروبار میں صرف کیا۔ مسٹر صفدر یورپ سے واپسی کے بعد یہ منصوبہ اپنے ساتھ لائے تھے مگر وہاں کے مالیاتی اداروں کے لگے بندھے اصولوں اور اجتماعی مفادات کے تصور کو وہیں چھوڑ آیا تھا۔ آئی۔ سی۔ ایف قائم ہوئی تو ایک بنک کی گوجرانوالہ شاخ کے منیجر چوہدری داؤد پر غبن کا الزام لگا۔ اس نے اپنے جیسے بنک کے چند ملازمین کے ساتھ مل کر یو۔ سی۔ ایف کے نام سے مالیاتی کمپنی قائم کر لی اور دھڑا دھڑ سٹاف بھرتی کرنے لگا۔

داؤد اس میدان میں نئے آئیڈیا زے کر آیا اور اس کا تصوّر یہ تھا کہ بنکوں کے ملازمین کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر اپنے ہاں بھرتی کیا جائے اور ان پر شرط لگائی جاتے کہ وہ بنک کے اکاؤنٹ ہولڈروں کو ورغلانے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ دوسری طرف اس نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت خوبصورت اور نوجوان لڑکیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا اور ان سے کہا کہ وہ ڈیپازٹ جمع کرنے کے لئے کمپنی کی مدد کریں۔ ہر لڑکی کو ایک لاکھ سے پانچ لاکھ روپے کا ٹارگٹ دیا گیا اور جو لڑکیاں یہ ٹارگٹ پورا نہ کر سکیں انہیں چھٹی دے دی گئی۔ چوہدری داؤد اور اس کے ساتھیوں نے دھڑا دھڑ شاخیں قائم کرنی شروع کر دیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت جمع کرنے لگے۔

یو۔ سی۔ الیف کے چرچے عام ہوتے تو حبیب بنک امامیہ کالونی شاخ کے ایک معتوب بینجر مسٹر احسان اللہ خان اپنی تمام تر خواہشات کے ساتھ میدان میں آگیا۔ اس نے دو اشخاص نصیب احمد اور محمد عبداللہ کی شراکت سے ایک کمپنی ایکسپریس کمرشل انٹرنیشنل لمیٹڈ کے نام سے رجسٹرار جائنٹ سٹاک سوسائٹی کے دفتر میں رجسٹر کرائی اور اخبارات میں بیان بازی شروع کر دی۔ سرمایہ آنے لگا تو اس نے نصیب احمد اور محمد عبداللہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا اور نصیب احمد کے جعلی دستخطوں سے اس کا استعفیٰ رجسٹرار جائنٹ سٹاک سوسائٹی کو پیش کر دیا۔ پہلے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں محمد امین کھوکھر اور ڈاکٹر پرویز اختر کو شامل کیا گیا۔ پرویز اختر نامی شخص کینیڈا میں مقیم ہے اور احسان اللہ خان المعروف بہ احسان بٹالوی کا برادرِ نسبتی ہے۔ اس کمپنی کا کل سرمایہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ ظاہر کیا گیا۔

ایکسپریس کمرشل انٹرنیشنل لمیٹڈ کے نئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے قیام کے بعد احسان بٹالوی نے نہ صرف مختلف شہروں اور قصبوں میں اپنی شاخیں قائم کرنی شروع کر دیں بلکہ جاپان، ہانگ کانگ، برطانیہ، امریکہ، سعودی عرب، ابوظہبی اور کینیڈا میں بھی در پردہ دفتر قائم کر لئے۔

احسان بٹالوی نے ذاتی شہرت حاصل کرنے کے لئے بعض اخبارات اور رسائل کو اشتہارات کا لالچ دے کر اپنی شان میں قصیدے لکھواتے اور چند ادیبوں اور نقادوں کی اقتصادی مشکلات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی نگارشات کو اپنے نام سے چھپوانا شروع کر دیا۔ وہ دولت کے بل بوتے پر دانشور، نقاد، شاعر، ادیب، صحافی، سیاست دان اور سماجی کارکن سب کچھ بن گیا۔ اور بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کر کے اپنی تصویریں چھپوانے لگا۔ سستی شہرت کے اس دلدادہ شخص نے اپنی کمپنی میں اہل قلم اور فنکاروں کو ملازم رکھنا شروع کر دیا اور جب لوگ اس کے نام سے آشنا ہو گئے تو وہ برملا کہنے لگا کہ قومی صحافت اس کی زرخرید لونڈی ہے اور اخبار نویس اس کی جیب میں ہیں۔

ای۔ سی۔ ایف۔ آئی کے چیئرمین نے جب پورے ملک میں چار سو سے زائد شاخیں قائم کر لیں اور ۴۰ کروڑ روپیہ جمع کرنے کے ساتھ ساتھ کروڑوں روپے کی جائداد مختلف ناموں سے خرید لی تو اس نے ایک بڑی اسلامی مملکت کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لئے اس نے اس اسلامی مملکت کی وزارت دفاع کو خط لکھا کہ کمپنی ان کے ملک میں ایٹمی سنٹر قائم کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کینیڈا میں مقیم ایک سائنس دان ڈاکٹر پرویز اختر کی خدمات حاصل کر چکی ہے۔ یاد رہے پرویز اختر نامی مبینہ سائنس دان احسان اللہ خان کا برادر نسبتی اور کمپنی کے بانی ممبروں میں سے ہے" برادر اسلامی ملک کی حکومت نے اس خط کے متن سے پاکستان کی وزارت خارجہ کو آگاہ کر دیا۔ محکمہ خارجہ نے احسان اللہ خان کے بارے میں ایک خفیہ ایجنسی سے تحقیقات کرائی تو پتہ چلا کہ اس کمپنی کا تمام کاروبار فراڈ پر مبنی ہے اور خفیہ ایجنسی کے بقول "احسان بٹالوی نے ایکسپریس کمرشل فنانس کمپنی کے نام سے لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ نیز یہ کہ مبینہ سائنس دان ڈاکٹر پرویز اختر ٹورانٹو کینیڈا کی ایک فرم میں ملازم ہے" وزارت خارجہ نے خفیہ ایجنسی کی اس رپورٹ کی روشنی میں پنجاب پولیس سے استدعا کی کہ وہ احسان بٹالوی

کی سرگرمی کا سختی سے نوٹس لے۔

ملک میں تین بڑی فنانس کمپنیاں قائم ہوگئیں تو ان کے ڈائریکٹروں اور عہدیداروں کے درمیان اقتدار، وسائل اور اختیارات کی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ کمپنیوں کے ملازمین اور عہدیداروں نے ان سے الگ ہوکر اپنی کمپنیاں قائم کرنی شروع کردیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر شہر اور ہر قصبے میں فنانس کمپنیوں کے بورڈ نظر آنے لگے اور ملک میں برسات کے مینڈکوں کی طرح مالیاتی ادارے جنم لینے لگے۔ ظاہر ہے دولت کے اس سہل اور آسان ترین حصول کے طریقہ سے کون فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا؟ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ فنانس کمپنیوں کے نام پر لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ فراڈیوں کا ایک طبقہ راتوں رات امیر بن چکا ہے اور ۷۰ ہزار سے زائد افراد ملازمتوں اور عہدوں کے نام پر ان کے چنگل میں پھنسے ہوتے ہیں۔

تین فنانس کمپنیوں سے الگ ہونے والے عہدیداروں اور ملازموں نے جو معروف مالیاتی ادارے قائم کئے ہیں۔ ان میں حیدری فنانس کارپوریشن ویسٹ اینڈ ایسٹ، پاکستان کمرشل فنانس، پاک انٹرنیشل کمرشل بلائنز، مسلم انٹرنیشنل، ساورادانٹرپرائزاوورسیز کولیکٹو السوئیہ پاک نیشنل فنانس این سی ایف اور راوی قابلِ ذکر ہیں اور رانٹی والس سکواڈکرائم برانچ کو ان کے خلاف دھڑادھڑ درخواستیں موصول ہو رہی ہیں۔ ان کمپنیوں کے ملازمین اور اکاونٹ ہولڈروں نے مالکان کے خلاف غبن، فراڈ، دھوکہ دہی اور کرپشن کے سنگین الزامات عائد کئے ہیں۔ تاہم ابھی تک صرف تین چار کمپنیوں کے خلاف کارروائی کی گئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ :۔

فنانس کمپنیوں نے عوام کا سرمایہ کہاں ضائع کیا؟ کس مد پر صرف کیا؟ اس سرمائے سے کون سے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے؟ اور اربوں روپے کی رقم کا صحیح مصرف کیا ہوا ہے؟ اس ضمن میں بقول شخصے پاکستان کی سب سے بڑی فنانس کمپنی ایکسپریس کمرشل انٹرنیشل لمیٹڈ

کی سرمایہ کاری اور اخراجات کا جائزہ لیتے ہیں۔

احسان اللہ خاں ولد ثناء اللہ خاں کے بقول کمپنی نے چار کروڑ ۱۱ لاکھ روپے کے اثاثے خریدے ہیں جن میں رہائشی سکیمیں، چینی اور پلاسٹک بنانے کے کارخانے بھی شامل ہیں۔ پولیس کی اطلاع یہ ہے کہ احسان اللہ خاں نے زیادہ تر جائیداد مائی چوائس پراپرٹی ڈیلر کے توسط سے خریدی ہے اور ایک لاکھ روپے کی جائیداد کے کمپنی سے دو لاکھ روپے وصول کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک پراپرٹی ڈیلر کے بقول شادمان سکیم میں جائیداد کی خریداری کے دوران کمپنی کے چیئرمین کو ذاتی حیثیت سے لاکھوں روپے کا فائدہ ہوا کیونکہ اس نے مالک کو جتنی رقم ادا کی واؤچر پر اس سے کہیں زیادہ رقم وصول کر لی۔ الزام لگایا جاتا ہے کہ احسان بٹالوی نے صرف ایک سودے میں کمپنی سے ۵۰ لاکھ روپے زائد وصول کئے۔ اس کے علاوہ اپنے دفاتر کی آرائش اور زیبائش اور کرایوں پر ۶۰ لاکھ روپے کے لگ بھگ رقم خرچ کی ہے۔ کمپنی کے پاس نئے ماڈل کی گیارہ کاریں ہیں جن میں سے تین احسان بٹالوی کے ذاتی استعمال میں رہتی تھیں۔ اس کی عالیشان کوٹھی میں دو ٹیلیفون نصب ہیں۔ ایک فون کا نمبر صرف چند افراد کو معلوم ہے۔ اس شخص کا ایک دستِ راست امین کھوکھر گلبرگ میں رہتا ہے اور ۱۰ کنال پر محیط اس کوٹھی کی قیمت ۵۰ لاکھ روپے سے زائد ہے یہ بنگلہ کمپنی کے قیام کے بعد خریدا گیا ہے۔

پاکستان انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن اور السعودیہ انٹرنیشنل کے مفرور ربانی اکرم نسیم نے پورے ملک میں ۲۹۲ شاخیں قائم کیں۔ اپنی رہائش گاہ کی تزئین و آرائش پر ۸۰ ہزار روپیہ خرچ کیا۔ اس کی ایک گاڑی نمبر ایل ای ڈبلیو ۳۴۶۳ جس کا رنگ سلور گرے ہے ۲ لاکھ روپے سے زائد مالیت کی ہے۔ یہ گاڑی الیکٹرونک سسٹم سے چلتی ہے۔ اس کے پاس ۱۴ کاریں تھیں، دفتر کے خفیہ کمروں میں عیاشی کا تمام سامان موجود تھا۔ پولیس نے اس کمپنی کا ایک ایسا بیڈ قبضے میں کیا ہے جو کسی صورت میں دس ہزار روپے سے کم

کی مالیت کا نہیں ہے۔

اس سوال کا ایک فکر انگیز پہلو یہ ہے کہ بنکنگ کونسل کی ہدایت اور سٹیٹ بنک کے انتباہ پر جب قومی بنکوں نے فنانس کمپنیوں کے اکاؤنٹ بند کر دیئے اور ان کی رقوم قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مالکان نے کمپنی کا سرمایہ اپنے ذاتی ناموں سے جمع کرانا شروع کر دیا اور دوسری طرف بنک آف اومان اور مڈل ایسٹ بنک سے معاملہ طے کر کے اپنی رقوم ان غیر ملکی بنکوں میں منتقل کرا دیں گویا کہ عوام کا کچھ سرمایہ مالکان کے ذاتی ناموں پر منتقل ہو گیا اور کچھ رقم غیر ملکی بنکوں میں جمع ہو گئی اور اس طرح اسے بیرون ملک بھیجنے میں آسانی پیدا ہو گئی اور ظاہر ہے یہ چیز نہ صرف کمپنیز ایکٹ کے خلاف ہے بلکہ دھوکہ دہی کے زمرے میں بھی آتی ہے۔

عوام کا باشعور طبقہ اگرچہ ابتدا ہی سے فنانس کمپنیوں کے وجود اور ان کی سرگرمیوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر انتظامیہ کی خاموشی اور نشر و اشاعت کے اداروں کے ذریعے ہونے والے پروپیگنڈے کی وجہ سے حیران ہو رہا تھا۔ بلاشبہ بنکنگ کونسل اور سٹیٹ بنک نے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر ان اداروں کے خلاف آواز بلند کی۔ مگر حکومت اور عوام پر اس آواز کا کوئی خاص ردِّ عمل نہ ہوا۔ اسی دوران حکومت کی ایک ایجنسی ایف آئی اے نے فنانس کمپنیوں کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ تیار کی اور ان کی غیر قانونی سرگرمیوں سے مرکزی حکومت کو آگاہ کیا مگر صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی سابقہ سیاسی وزارت کے بعض سیاسی وزراء نے اس اہم رپورٹ کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا جبکہ محکمہ فنانس، سٹیٹ بنک، وزارت قانون کے بعض اہلکار اور ملک کے چند سرمایہ دار، بنکرز اور صنعت کاران کی پشت پر تھے اور فنانس کمپنیوں کی انتظامیہ عوام کو یہی تاثر دیتی تھیں کہ "ان کا کچھ نہیں بگڑ سکتا"۔ یہ تاثر صفدر صاحب دیا کرتے تھے۔

فنانس کمپنیوں کے خلاف کارروائی کا تمام تر سہرا پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس قاضی

محمد اعظم کے سر ہے، جنہوں نے ہر قسم کے خوف و خطر اور دباؤ سے بے نیاز ہو کر چیچہ وطنی کے ایک غریب اور ضرورت مند نوجوان خالد رشید کی درخواست پر پاک انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن کے خلاف پرچہ درج کرنے کے احکامات جاری کئے اور معاملہ کرائمز برانچ کے سپرد کر دیا۔ اینٹی والس سکواڈ کے انچارج آغا آصف نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور کرائمز برانچ کے سربراہ چوہدری محمد امین کی ہدایت اور نگرانی میں دھوکہ بازوں کا کڑا محاسبہ کر لیا۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں فرض پر مفادات کو ترجیح دی جاتی ہو اور دولت اور سفارش کا غلبہ ہو، بااثر، بارسوخ اور دولت مند افراد کے خلاف صحیح اقدامات کرنا معمولی بات نہیں اور آغا آصف کے بقول وہ یہ کام یتیموں، بیواؤں، ضرورت مندوں اور خلقِ خدا کی دعاؤں کا سرمایہ حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ بہرحال ابھی بہت سے فراڈ ادارے باقی ہیں اور بہت سی بُرائیاں آج بھی ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں، ایسے ماحول میں دیانت دار، فرض شناس اور دل میں ملی درد رکھنے والے پولیس افسروں کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کہ باقی اداروں کے خلاف کیوں کارروائی نہیں کی گئی۔

فنانس کمپنیوں کے مالکان اور عہدیداروں کی پکڑ دھکڑ جاری ہے اور بلاشبہ اس لوٹ کھسوٹ کا محاسبہ بہت ضروری تھا۔ مگر عوام کے ذہنوں میں یہ سوال بار بار پیدا ہوتا ہے کہ مالیاتی اداروں کو دئے ہوئے ان کے سرمائے کی واپسی کیسے ہو گی، اور کیا حکومت کے ذہن میں ان کی عمر بھر کی پونجی کی واپسی کا کوئی حل موجود ہے؟ اس ضمن میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ اگر پولیس کی اس پکڑ دھکڑ کے باوجود ملزموں کو ہنزا و تعزیر سے بچ نکلنا ہے اور عوام کے سرمائے سے خریدی ہوئی لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کی جائیداد کو اپنے ذاتی تصرف میں لے آنا ہے تو اس احتساب کا کوئی فائدہ نہیں۔ حکومت کو فنانس کمپنیوں پر نہ صرف پابندی عائد کرنی چاہیئے بلکہ ان سے وابستہ تمام املاک کو بحق سرکار ضبط کر لینا چاہیئے۔

ایسا ہی ایک فیچر روزنامہ امروز کے فیچر رائٹر جناب تاج الدین حقیقت نے سپرد قلم کیا۔
یہ فیچر بھی ۱۲ اکتوبر کو شائع ہوا۔ اس فیچر کا متن یہ ہے :۔

چیچہ وطنی کے ایک نوجوان خالد رشید نے انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کو درخواست دی جس میں اس نے لکھا :۔

"مجھے پاک انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن لبرٹی مارکیٹ گلبرگ لاہور کے مینجنگ ڈائریکٹر میاں اکرم نسیم نے تیرہ سو روپے ماہوار تنخواہ پر اپنی کمپنی میں چیچہ وطنی برانچ کا مینجر مقرر کیا۔ ۱۲ مئی ۱۹۷۹ء کو زونل چیف محمد شریف کے ذریعے دو لاکھ روپے ہیڈ آفس کے اکاؤنٹ میں فوری طور پر جمع کرانے کا حکم دیا۔ ۱۳ مئی کو تقریباً ایک لاکھ روپے کی رقم ہیڈ آفس کے اکاؤنٹ میں جمع کرائی۔ اسی طرح بعد ازاں بھی اپنی برانچ کے کھاتے داروں کی رقوم میں سے ہزاروں روپے ہیڈ آفس منتقل کئے۔ جب کھاتے داروں نے اپنی ضروریات کے لئے اپنی رقوم واپس لینے کے لئے چیک پیش کئے تو ان کو رقوم نہ دی جا سکیں۔ کھاتے داروں کے مطالبے کے پیش نظر ہیڈ آفس سے رابطہ قائم کیا گیا تو پاک انٹرنیشنل اور السعودیہ انٹرنیشنل کے افسروں نے جھوٹے وعدے شروع کر دیئے۔ چنانچہ یہ ادارے لوگوں کی جمع شدہ رقوم واپس نہیں کر رہے۔"

انسپکٹر جنرل پولیس نے اس درخواست پر کرائمز برانچ کو کارروائی کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ کرائمز برانچ نے یکم اکتوبر کو مذکورہ دونوں کمپنیوں کے ڈائریکٹر خالد یاسین پاک انٹرنیشنل کے مینجنگ ڈائریکٹر حیدر الدین ٹیپو اور السعودیہ انٹرنیشنل کے مینجنگ ڈائریکٹر لیاقت محمود کو گرفتار کر لیا اور ان کے قبضے سے لاکھوں روپے مالیت کی آٹھ کاریں اور دوسرا سامان برآمد کر لیا۔

اگلے روز السعودیہ انٹرنیشنل اور پاک انٹرنیشنل فیصل آباد کے زونل چیف محمد منیر اور سید حسنین اقبال کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے قبضے سے کمپنی کی دو کاریں بھی برآمد کر لیں۔

اسی دوران لاہور صدر بازار کے محمد یعقوب، چوبرجی پارک کے منیر اقبال ہارون اور

شمالی چھاؤنی کے عمران ظفر ڈار نے ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے خلاف کرائمز برانچ کو درخواستیں دیں کہ انہوں نے اس کمپنی میں رقوم جمع کرائی تھیں لیکن اب انہیں ادا نہیں کی جا رہیں۔

کرائمز برانچ پولیس نے ان درخواستوں پر تفتیش شروع کی تو معلوم ہوا کہ بے شمار کھاتے داروں کی رقوم واپس نہیں کی جا رہیں۔ اور اس کمپنی کے مالکان بیرونِ ملک فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ کرائمز برانچ کے اینٹی واتس سکواڈ کے ڈی ایس پی آغا آصف نے مجسٹریٹ عبدالباسط سہیل کی سربراہی میں چھاپے مار کر ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر لیسین رضوی، سینیئر واتس پریذیڈنٹ نسیم جعفری اور منیجر بشیر احمد کو گرفتار کر لیا۔ ان کے دفاتر سیل کر دیئے اور سامان اپنے قبضے میں کر لیا۔ تاہم کمپنی کے مالک احسان ٹبالوی گرفتار نہ ہو سکے اور انہوں نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروالی۔

مذکورہ فنانس کمپنیوں کے دفاتر پر پولیس کے چھاپوں اور کرتا دھرتا افراد کی گرفتاریوں کی خبریں جب اخبارات میں شائع ہوئیں تو ملک میں پچھلے دو تین برسوں کے دوران قائم ہونے والی فنانس کمپنیوں کے سینکڑوں ملازمین اور کھاتے داروں نے لاہور کا رُخ کیا کہ وہ اپنے سرمائے کے تحفظ کا جائزہ لے سکیں لیکن انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی کہ بیشتر فنانس کمپنیوں کے ہیڈ آفس گزشتہ کئی ہفتوں سے بند پڑے تھے۔ بعض کمپنیوں نے پولیس کی پکڑ دھکڑ سے ڈر کر اپنے دفاتر کو تالے لگا دیئے۔ ان کمپنیوں کے ڈائریکٹر روپوش ہو گئے۔ بعد میں ان فنانس کمپنیوں نے پولیس کے چھاپوں کی آڑ لے کر اخبارات میں باقاعدہ اعلان کر کے اپنے دفاتر بند کر دیئے۔ بعض ایسی کمپنیاں بھی جو بظاہر ٹھیک ٹھاک کام کر رہی تھیں اس صورتِ حال کا شکار ہو گئیں، ان پر بھی کھاتے داروں نے یکدم یلغار کی تو ان کے ڈائریکٹروں نے بھی اپنے اپنے دفاتر بند کر دیئے۔

یوں تو گزشتہ ایک ماہ سے بیشتر فنانس کمپنیاں اپنے کھاتے داروں کو ان کی رقوم کی

ادائیگی کے لئے آج کل، آج کل کے چکمے دے رہی تھیں اور کھاتے دار اور ملازمین ان کمپنیوں کے صدر دفتروں کے سامنے سارا سارا دن دھرنا مار کر بیٹھے رہتے لیکن ان کی کسی ڈائریکٹر سے ملاقات تک نہ ہوتی۔ ہیڈ آفس کا سٹاف ان لوگوں کو جھوٹی تسلیاں دے کر کام چلا رہا تھا۔ بیشتر ڈائریکٹر اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر اپنی جگہ "ڈمی ڈائریکٹر" مقرر کر چکے تھے۔ اگر ان کا کسی سے آمنا سامنا ہوتا تو وہ اپنا استعفیٰ دکھا کر گلو خلاصی کرا لیتے۔ یہ بھی ہوا کہ کئی کمپنیوں کے سربراہ لاکھوں روپے کی رقوم لے کر پاکستان سے باہر بھاگ گئے۔

پچھلے دنوں اپر مال پر واقع ایک فنانس کمپنی کے ہیڈ آفس کے سامنے سینکڑوں کھاتے دار اور ملازمین اپنی رقوم اور تنخواہیں لینے کے لئے جمع تھے۔ چوکیدار انہیں بتا رہا تھا کہ آفس میں اس وقت کوئی نہیں ہے، لیکن ان لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ منیجنگ ڈائریکٹر اندر بیٹھا ہوا ہے اور اس نے چوکیدار سے کہہ رکھا ہے کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ غرض صبح سے شام تک یہ لوگ دھرنا مارے بیٹھے رہے۔ جب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو وہ زبردستی ہیڈ آفس میں داخل ہو گئے۔ لیکن وہاں واقعی کوئی آدمی نہ تھا۔ قریب تھا کہ یہ لوگ ہیڈ آفس کو آگ لگا دیتے کہ اس شاندار کوٹھی کا مالک آ گیا جس میں یہ "ہیڈ آفس" کھلا ہوا تھا۔ اس نے پولیس کی مدد سے اپنی کوٹھی کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

لارنس روڈ لاہور کے ایک جدید بنگلے میں ایک فنانس کمپنی کا ہیڈ آفس قائم تھا۔ اس ہیڈ آفس کی شان و شوکت کے چرچے عام تھے۔ ہر کمرے میں بیش قیمت قالین بچھے ہوئے اور ائیر کنڈیشنر لگے ہوئے تھے۔ سٹاف میں شہر کی حسین و جمیل خواتین شامل تھیں۔ لوگ اس کمپنی کے ڈائریکٹروں سے اپنی رقوم کی واپسی کا تقاضا کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور کمپنی والے لوگوں کو وعدۂ فردا پر ٹرخا دیتے تھے۔ ایک صبح جب کھاتے دار اور برانچوں کے ملازمین ہیڈ آفس پہنچے تو وہاں سے تمام سامان غائب تھا۔ ڈائریکٹروں اور ہیڈ آفس کے عملے کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس بنگلے کے مالک کو بھی علم نہیں تھا کہ اس کی کرائے دار فنانس کمپنی

کہاں غائب ہو گئی ہے۔

فنانس کمپنیوں کے بیشتر دفاتر گلبرگ شادمان اور گارڈن ٹاؤن جیسے خوبصورت علاقوں میں قائم تھے لیکن آج وہاں تالے پڑے ہوتے ہیں اور دفاتر تقریباً ختم ہو چکے ہیں البتہ بعض دیانتدار فنانس کمپنیوں کے دفاتر اب بھی موجود ہیں۔

فنانس کمپنیوں کے دفاتر اور کرائمز برانچ میں سینکڑوں افراد روزانہ چکر لگا رہے ہیں اور اپنی مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں۔ شیخوپورہ کا ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم انور حسین گزشتہ پندرہ یوم سے لاہور میں موجود ہے۔ اس نے ایک فنانس کمپنی کے ہیڈ آفس کے سامنے ڈیرے ڈالے ہوتے ہیں۔ وہ رات دفتر کے تھڑے پر ہی بسر کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاید کمپنی کے کسی ڈائریکٹر سے اس کا آمنا سامنا ہو جائے اور اس کی رقم واپس مل جائے اور اپنی جوان بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر سکے۔ انور حسین نے اپنی پنشن اور گریجوایٹی وغیرہ کی تمام رقم اس فنانس کمپنی میں جمع کرا رکھی تھی۔

گجرات کا ایک نوجوان شاہد اقبال کرائمز برانچ لاہور کے دفاتر کے چکر کاٹ رہا ہے۔ وہ پانچ سال تک مڈل ایسٹ کے ممالک میں محنت مزدوری کرنے کے بعد واپس وطن لوٹا تو اس کے پاس دو لاکھ روپے تھے اس رقم کو وہ کسی اچھے کاروبار میں لگانا چاہتا تھا کہ آئندہ پاکستان میں ہی اس کے لئے آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ بن جائے کہ اس نے فنانس کمپنیوں کے بڑے بڑے اشتہارات اخبارات میں پڑھے کہ "سرمایہ لگائیے منافع کمائیے"۔ اس دوران اس کی ملاقات ایک فنانس کمپنی کے برانچ منیجر سے ہو گئی۔ اس نے اسے اپنی کمپنی کے مختلف منصوبوں میں سرمایہ لگانے کی ترغیب دی۔ شاہد اقبال نے برانچ منیجر کو کمپنی کے منصوبے دکھانے کو کہا تو وہ اسے لاہور اپنے ہیڈ آفس لے آیا۔

شاہد اقبال نے اس فنانس کمپنی کا ہیڈ آفس دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس ائیر کنڈیشنڈ دفتر میں ماڈرن خواتین و حضرات کی آمد و رفت اور منیجنگ ڈائریکٹر کی شان و شوکت سے

وہ بے حد مرعوب ہوا اور اپنی دو لاکھ روپے کی رقم جمع کرا دی۔

سرگودھا کے ایک زمیندار گھرانے کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان کا نوجوان گریجویٹ لڑکا کسی اچھی جگہ ملازم ہو جاتے تو علاقے میں ذرا "ٹوہر" ہو جائے گی۔ اسی دوران ایک فنانس کمپنی نے اشتہار دیا کہ انہیں منیجروں کی ضرورت ہے، معقول تنخواہ کے ساتھ نئی کار کا لالچ بھی دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس زمیندار گریجویٹ کی درخواست جب کمپنی کو ملی تو اسے فوراً انٹرویو کے لئے بلا لیا گیا۔ وہ اپنے والد کے ہمراہ لاہور ہیڈ آفس پہنچا۔ کمپنی کے منیجنگ ڈائریکٹر نے اسے اس شرط پر ملازم رکھنے کی حامی بھر لی کہ وہ پانچ لاکھ روپے ذاتی جمع کرائے۔ زمیندار نے اپنے بیٹے کی نوکری کی خاطر پانچ لاکھ روپے جمع کرا دیئے۔ لیکن اس نوجوان کو چند ماہ بعد نوکری سے برخاست کر دیا گیا۔

بنکوں میں نوکری کی خواہشمند پڑھی لکھی کئی نوجوان لڑکیاں بھی ان فنانس کمپنیوں کے ہاتھوں پریشان ہوئیں۔ نوکریوں کے لالچ میں ان خواتین نے اپنے رشتہ داروں کے اکاؤنٹ کھلوائے اور اب وہ رشتے داران خواتین کو تنگ کر رہے ہیں۔ ربوہ کی ایک خاتون کو ایک فنانس کمپنی نے اپنی ربوہ برانچ کا منیجر مقرر کیا۔ اس نے تین لاکھ روپے اپنے ذاتی جمع کرائے یہ رقم ہیڈ آفس منتقل کر لی گئی اور اس کے بعد خاتون کو نوکری سے جواب دے دیا گیا۔ اپنی جمع شدہ رقم کی وصولی کے لئے وہ خاتون لاہور کے کئی چکر لگا چکی ہیں۔ ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کی ایک ملازمہ جب کمپنی کے بعض افراد کے ڈھب پر نہ آسکیں تو اس کا ایک دور دراز علاقے میں تبادلہ کر کے پریشان کیا گیا اور بعد میں انہیں ملازمت سے ہی نکال دیا گیا۔

امروز کے نامہ نگار مقیم شیخوپورہ حمید راہی نے لکھا ہے کہ شیخوپورہ کے حاجی میاں شوکت اقبال نے کرائمز برانچ میں اس مضمون کی درخواست دی ہے کہ "میں نے ویسٹ اینڈ ایسٹ فنانس کمپنی کی شیخوپورہ برانچ میں اکاؤنٹ کھلوایا تھا۔ میری بھتیجی کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تو میں چیک لے کر برانچ میں گیا۔ برانچ منیجر نے کہا کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ آپ ہیڈ آفس

سے رابطہ پیدا کریں۔ چنانچہ جب میں ہیڈ آفس پہنچا تو وہاں کی شان و شوکت ہی نرالی تھی۔ مجھے کسی نے لفٹ نہ کرائی۔ خوبصورت لڑکیاں افسرانہ ٹھاٹ باٹھ سے ادھر ادھر گھوم پھر رہی تھیں۔ میں کسی سے اپنا مسئلہ بیان کرتا تو وہ کہتا اپنی برانچ سے رقم لو۔ شیخوپورہ سے لاہور کئی چکروں کے بعد کمپنی کے کنٹرولر برانچز فیروز صلاح الدین سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ سرگودھا میں برانچ کا افتتاح ہونے والا ہے وہاں سے رقم لا کر آپ کو دوں گا۔ بعد میں متعدد چکر لگاتا رہا، لیکن کوئی پرسانِ حال نہ ہوا حتیٰ کہ ڈیڑھ ماہ انہی چکروں میں گزر گیا۔ چند روز قبل میری ملاقات کمپنی کے ایک ڈائریکٹر ارشد سمیع سے ہوئی تو اس نے کہا کہ کل آ کر رقم لے جانا۔ وعدے کے مطابق اگلے روز ہیڈ آفس آیا تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ وہاں دروازے کے پاس ایک آدمی بیٹھا رو رہا تھا کہ میری بہن کی ۱۵ اکتوبر کو شادی ہے میں اپنی رقم نکلوانے آیا تھا لیکن یہاں کوئی بھی نہیں ہے اب میں کہاں جاؤں؟

گارڈن ٹاؤن لاہور کی ایک فنانس کمپنی کے باہر ایک ستر سالہ بوڑھا روزانہ گھومتا نظر آتا ہے۔ اس نے بتایا اپنے گاؤں کی زمین بیچ کر ۴۵ ہزار روپے جمع کئے تھے اور وہ اپنی بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے بیٹے کو اس کمپنی میں چپراسی بھرتی کرانے کے لالچ میں یہ رقم فنانس کمپنی کے پاس جمع کرا دی۔ بیٹے کو نوکری سے جواب مل چکا ہے لیکن پیسے واپس نہیں کئے گئے۔

قصور کی ایک فنانس کمپنی میں حق نواز خاں زونل چیف ہیں انہوں نے بتایا کہ اپریل ۹۶ء میں وہ ملازم ہوئے اور علاقے بھر میں شاخیں قائم کیں۔ ان شاخوں میں جمع شدہ رقوم کمپنی کے پریذیڈنٹ ہیڈ آفس لے جاتے رہے۔ ایک دن پتہ چلا کہ پریذیڈنٹ صاحب ملک ہی سے غائب ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ نئے ڈائریکٹر مقرر ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے مختلف برانچوں میں کھاتہ داروں کے دو لاکھ ۴۳ ہزار روپے دینے ہیں اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ وہ کیا کریں کیونکہ اس کمپنی کے نئے ڈائریکٹر بھی پولیس ایکشن کی آڑ میں روپوش

ہو گئے ہیں۔

سیالکوٹ میں اور ریز کو لیکٹو کنسلٹنٹس انٹرنیشنل لمیٹڈ نامی ایک فنانس کمپنی کے برانچ مینجر محمد یونس بھٹی نے "امروز" کو لکھا ہے کہ اس کمپنی کے مالک طاہر رؤف ملک کھاتے داروں کا تقریباً پانچ لاکھ روپیہ لے کر روپوش ہو گئے ہیں۔ سیالکوٹ کے ایریا مینجر قمر زمان جعفری بھی غائب ہیں ان فنانس کمپنیوں نے کئی خاندانوں کو معاشی طور پر تباہ کر دیا ہے لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ ان کمپنیوں کے مالکان کو ملک سے فرار ہونے سے روکا جائے اور انہیں گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔

الغرض ایسے سینکڑوں واقعات ہیں جنہیں سُن کر دلی دکھ ہوتا ہے کہ پاکستان جیسے غریب ملک میں جہاں بیروزگاری عام ہے اور لوگوں کی شرح آمدنی انتہائی کم ہے لوگ فنانس کمپنیوں کے ہاتھوں اپنی پونجی گنوا بیٹھے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملک بھر میں تقریباً ڈیڑھ سو فنانس کمپنیاں کام کر رہی تھیں جنہوں نے گاؤں گاؤں شہر شہر برانچیں قائم کیں۔ ان برانچوں کی تعداد کا اندازہ دس ہزار لگایا گیا ہے۔ اگر ہر برانچ میں کھاتہ داروں کی تعداد پچاس بھی لگائی جائے تو اس طرح سے ملک میں تین لاکھ گھرانے ایسے بنتے ہیں جو ان فنانس کمپنیوں میں اپنی رقوم جمع کرانے کی وجہ سے آج پریشان حال ہیں۔ ایک اور محتاط اندازے کے مطابق ملک کے غریب عوام کا ایک ارب روپیہ ان فنانس کمپنیوں کے چکر میں پھنس کر رہ گیا ہے اور فنانس کمپنیوں کے معاملات پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سکینڈل بن گئے ہیں۔ خیال ہے کہ ان فنانس کمپنیوں میں تقریباً پچاس ہزار آدمی کام کر رہے ہیں۔ ان میں بے شمار ایسے تھے جو شیڈول بنکوں اور سرکاری ملازمتوں کو چھوڑ یہاں زیادہ تنخواہوں کے لالچ میں آ گئے تھے۔ اب وہ کھاتے داروں کی وجہ سے نہ صرف پریشان ہو رہے ہیں بلکہ وہ فنانس کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کی دھمکیوں سے اپنی جان و مال کو بھی خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ فنانس کمپنیوں کے ملازمین کی زیادہ تعداد کا تعلق ملک کے دیہی علاقوں سے ہے۔ ان

ملازمین نے ملازمتوں کے چکر میں جن عزیزوں اور دوستوں سے رقوم حاصل کی تھیں اب وہ ان کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں اور اس طرح سے گاؤں گاؤں دشمنیاں پیدا ہوگئی ہیں کیونکہ فنانس کمپنیوں نے اپنی برانچیں زیادہ تر دیہاتوں میں قائم کر رکھی تھیں

ملک میں فنانس کمپنیوں کی ابتدا کے ساتھ ہی سنجیدہ طبقے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا جانے لگا تھا۔ پھر یہ بھی ہوا کہ بعض فنانس کمپنیوں کے ڈائریکٹروں میں جمع شدہ روپے اختیارات اور عہدوں کی تقسیم پر جھگڑے ہوتے اور اندرونی راز باہر آنے لگے۔

کئی فنانس کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کے خلاف مقدمات کی خبریں بھی شائع ہوئیں۔ اس سال کے آغاز میں جب دھڑا دھڑ فنانس کمپنیاں کھلنی شروع ہوئیں تو اخبارات میں لکھا جانے لگا۔ سٹیٹ بنک۔ بنکنگ کونسل آف پاکستان اور حکومت سے دریافت کیا جانے لگا کہ آیا اس طرح کی نجی سرمایہ کاری کی کمپنیوں کے فروغ کے مضمرات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا ہے کہ نہیں اور آیا یہ کمپنیاں تجارتی بنکوں کے متوازی ادارے ہیں یا ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے قائم کئے جا رہے ہیں۔ ان کمپنیوں میں جمع شدہ سرمائے کے تحفظ کے لئے ضمانتیں حاصل کی گئی ہیں یا نہیں!

یہ خدشات جب زبان زد عام وخاص ہو گئے تو حکومت کی طرف سے اخبارات میں یہ اعلان چھپا کہ حکومت کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض کمپنیاں خود کو تجارتی اور صنعتی مالیاتی ادارے ظاہر کر کے لوگوں کو ان کمپنیوں میں اکاؤنٹ کھولنے اور روپیہ جمع کرانے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ یہ بنکنگ کمپنیاں نہیں ہیں اور انہیں سٹیٹ بنک کی طرف سے بنکاری کرنے کی اجازت حاصل کرنے کی اجازت حاصل نہیں ہے۔ قانون کے مطابق یہ کمپنیاں سٹیٹ بنک کی نگرانی میں کام نہیں کر رہیں جبکہ مروجہ قانون کی خلاف ورزی کرنے پر ان کمپنیوں کے خلاف کارروائی کرنے کا سوال زیر غور ہے۔ عام لوگوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ ان کمپنیوں کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر لین دین کر رہے ہیں۔

یہ اعلان یکم جون ۸۰ء کو اخبارات میں شائع ہوا۔ اس کے اگلے روز ہی فنانس کمپنیز ایسوسی ایشن کے صدر احسان بٹالوی نے اس اعلان کو فنانس کمپنیوں کے خلاف نوکر شاہی کی ایک سازش قرار دیا۔ ان کے لمبے چوڑے بیان میں ان کمپنیوں کی وساطت سے خوشحال پاکستان کا ایک حسین خواب دکھایا گیا تھا۔ وفاقی حکومت کے اعلیٰ افسروں کی بنکنگ کونسل اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کے خلاف ملک کے اقتصادی شعبے کو نقصان پہنچانے کے کھلے الزامات لگائے گئے تھے لیکن ان الزامات کی کسی طرف سے کوئی تردید نہ کی گئی۔ اس خاموش فضا میں ملک میں ایک زبردست طوفان آ گیا۔ تقریباً دس ماہ بعد بنکنگ کونسل اور سٹیٹ بنک کی رپورٹ پر ایف آئی اے نے فنانس کمپنیوں کے معاملات کی تحقیقات کی اور اپنی رپورٹ حکومت کو بھجوا دی۔ یہ رپورٹ کیا تھی۔ آج تک منظرِ عام پر نہیں آ سکی۔

چنانچہ اس کے بعد بھی فنانس کمپنیاں قائم ہوتی رہیں اور پہلے سے قائم کمپنیاں دھڑلے سے کام کرتی رہیں۔ اس دوران کئی کمپنیوں میں فراڈ ہوئے۔ برانچیں بند ہوئیں اور ان کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں۔ بعض سیاست دانوں نے بھی فنانس کمپنیوں کے خلاف اپنے شبہات کا اظہار اپنے اخباری بیانات میں کیا لیکن کوئی عملی قدم نہ اٹھایا گیا۔ اب کرائمز برانچ نے چھاپے مارے تو پورے ملک میں واویلا ہو گیا۔ اس کے بعد حکومت کی طرف سے آرڈی ننس جاری ہوا جس سے توقع پیدا ہو گئی ہے کہ کھاتے داروں کی بچی کھچی رقوم کا کچھ نہ کچھ تحفظ ضرور ہو جائیگا

عوام میں فنانس کمپنیوں کے خلاف شبہات کو دور کرنے کے لئے فنانس کمپنیوں کے کرتا دھرتا ذرائع ابلاغ کو خوب استعمال کرتے رہے۔ ایسے بیانات اخبارات میں شائع ہوتے جس سے لوگوں کو یقین ہوتا رہا کہ یہ لوگ بھاگ نہیں جائیں گے لیکن افسوس کہ ان فنانس کمپنیوں کے خلاف بروقت کوئی اقدام نہ کیا گیا۔

وفاقی حکومت کے اس تساہل سے عوام میں کئی شکوک پاتے جا رہے ہیں۔ یہ خیال عام ہے کہ فنانس کمپنیاں اپنے خلاف اقدامات کو ہر جائز و ناجائز طریقوں سے تعطل میں

ڈالنے میں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ عوام صدر مملکت سے توقع کرتے ہیں کہ وہ فنانس کمپنیوں کے خلاف کئے جانے والے اقدامات میں تاخیر کی وجوہ کی تحقیقات کرائیں گے۔ شاید اس طرح سے ملک کے ایک اور اہم سکنڈل کا انکشاف ہو سکے۔

ملک میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کے ساتھ ہی ان کی کارکردگی میں فرق پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ اسی دوران بعض بنک افسروں کو بدعنوانیوں کی بنا پر ملازمتوں سے برخاست کیا گیا تو انہوں نے بنکاری نظام کی خامیوں سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ اور فنانس کمپنیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ اس اثنا میں سود کی ممانعت اور زکوٰۃ عشر کے نفاذ کے اعلانات بھی ہوتے۔ اس سے کمپنیوں کے شاطر مالکوں نے فائدہ اٹھایا۔ لوگوں کو جھانسہ دیا کہ وہ بلاسود سرمایہ کاری کو فروغ دیں گے۔ کاروباری اشتراک کی بنا پر معقول منافع دیں گے چنانچہ لوگوں نے بنکوں سے رقوم نکلوا کر ان فنانس کمپنیوں کے حوالے کر دیں۔ پنجاب میں سب سے زیادہ کمپنیاں اس لئے بھی قائم ہوئیں کہ بنکوں کے ہیڈ آفس یہاں قائم نہیں اور پنجاب کا کاروباری طبقہ اسے اپنی محرومی سمجھتا ہے۔

فنانس کمپنی قائم کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ کمپنیز ایکٹ کے تحت پرائیویٹ اداروں کی حیثیت سے کمپنی رجسٹر کرا کے دفاتر اور فرنیچر حاصل کیا۔ سٹیشنری ادھار چھپوائی اور شاخیں قائم کرنا شروع کر دیں۔ ملک میں نجی سرمایہ کاری کے مناسب اور وافر مواقع کی کمی اور عام بیروزگاری نے ان کمپنیوں کا پرجوش استقبال کیا۔

ابتدا میں چند لوگوں نے یہ طریقہ اپنایا۔ جب دوسروں نے یہ دیکھا کہ کل جس کے پاس ایک ٹوٹی سائیکل تھی، مرسڈیز کار پر پھر رہا ہے تو انہوں نے بھی یہ نسخہ کیمیا اپنا لیا۔ ان کمپنیوں کے ملازمین کو جب راز کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی اپنی کمپنیاں قائم کر لیں۔

ان کمپنیوں کے ڈائریکٹروں نے لوگوں کے سرمائے پر وہ عروج دیکھا کہ اس کبھی وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ پسرور کے ایک پرائمری سکول ماسٹر نے جب کمپنی قائم کی تو وہ لاکھوں میں

کھیلنے لگا۔ بنک کا ایک معمولی افسر ملک کا سب سے بڑا معیشت دان، سیاست دان اور کئی کتابوں کا مصنف بن گیا۔ بہترین سماجی و ثقافتی تقریبات میں مہمان خصوصی کے طور پر بلوایا جانے لگا۔ کئی اداروں کی سرپرستی کرنے لگا اور ملک کا بچہ بچہ اس کے نام سے واقف ہو گیا حتیٰ کہ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ وہ سیاست میں حصہ لے گا، قومی اسمبلی کا ممبر بنے گا، سیاسی جماعت بنائے گا اور بالآخر ملک کا صدر اور وزیر اعظم بن جائے گا لیکن عوام نے اپنے سرمائے کے ضیاع کا جب اس سے حساب لینا شروع کیا تو اس کے تمام خواب ادھورے رہ گئے۔

بعض فنانس کمپنیوں کے شاطر ڈائریکٹروں نے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے مضحکہ خیز حد تک مبالغہ آمیزی سے کام کیا۔ انہوں نے ملک میں سیمنٹ اور کھاد کی فیکٹریاں قائم کرنے کے اعلانات کئے بلکہ لوگوں میں اپنا امیج بنانے کے لئے دوست ممالک کو بھی اقتصادی مشورے دینے شروع کر دیئے۔ ایک فنانس کمپنی نے سعودی حکومت کے وزیر دفاع کو لکھا کہ وہ ان سے ایٹمی توانائی کے سلسلے میں ٹیکنیکی مہارت حاصل کریں کیونکہ ان کے پاس عظیم سائنس دان ملازم ہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کمپنی کے مالک کا ایک رشتہ دار اٹامک انرجی کمیشن کینیڈا میں ملازم ہے جسے عظیم سائنس دان ظاہر کیا جا رہا تھا۔ ہوا یہ کہ سعودی حکومت نے اس مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ بصورت دیگر ملک کی بدنامی کا خدشہ تھا۔

لوگوں کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ مالی لحاظ سے مستحکم ہیں۔ فنانس کمپنیوں کے مالکان عام لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو محض کارندے ظاہر کرتے اور بتاتے کہ ان کے پروموٹرز غیر ممالک میں اربوں ڈالر کے مالک ہیں۔ کرائمز برانچ نے جب چھاپے مار کر ان لوگوں کو پکڑا تو انہوں نے ہر قیمت پر پولیس کو خوش کرنے کی کوشش کی لیکن چھاپے مار ٹیم میں انسپکٹر جنرل پولیس نے منتخب لوگوں کو شامل کیا تھا۔ ورنہ شاید ابھی تک بھی ان کمپنیوں کے معاملات دبے رہتے۔

اخبارات نے لکھا

ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل پر پولیس کے چھاپے اور اس کے اہم عہدیداروں کی گرفتاری کے فوراً بعد پنجاب کا پورا پریس حرکت میں آگیا اور ۸، اکتوبر کے بعد اخبارات میں فنانس کمپنیوں کے بارے میں اداریے شائع ہوئے۔ یہ اداریے بے حد اہمیت کے حامل ہیں اس لئے انہیں مربوط اور تدوین شدہ حالت میں یکجا پیش کیا جارہا ہے۔

روزنامہ مشرق نے ۹، اکتوبر کی اشاعت میں اپنے مختصر اداریے میں لکھا:۔

چند فنانس کمپنیوں پر پولیس کے حالیہ چھاپوں اور ان کے نتیجہ میں مبینہ مالی بے ضابطگیوں کے انکشاف کے بعد یہ ضروری ہوگیا ہے کہ فنانس کمپنیوں کے بارے میں محض اکا دکا انفرادی شکایات پر پولیس کارروائی کرنے پر ہی قناعت نہ کی جائے بلکہ ان تمام کمپنیوں کے حسابات اور اثاثے سرکاری تحویل میں لے کر ان کے مالی معاملات کی کڑی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ جن لوگوں نے بھاری منافع کے لالچ میں آکر یا اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اپنی زندگی بھر کی پونجی ان کمپنیوں میں جمع کرا رکھی ہے وہ مکمل طور پر ضائع نہ ہونے پائے۔ اب تو فنانس کمپنیوں کی ایسوسی ایشن نے خود بھی یہ مطالبہ کردیا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی قطعی اور واضح فیصلہ کیا جائے ورنہ وہ کام بند کردیں گی۔ ظاہر

ہے اگر ان کمپنیوں نے یک طرفہ طور پر کام بند کر دیا تو ان کے پاس جمع کھاتہ داروں کی پوری رقم ڈُوب جائے گی اس لئے یہ امر بھی ضروری ہو گیا ہے کہ حکومت ان فنانس کمپنیوں کے بارے میں کوئی واضح اور دوٹوک اقدام کرے۔

لاہور کے روزنامہ سیاست کا اداریہ اس طرح تھا۔

گذشتہ چند روز سے کچھ فنانس کارپوریشنوں کی خبریں تسلسل سے سامنے آ رہی ہیں۔ لوگوں کی شکایت پر چند فنانس کارپوریشنوں کے سرکردہ افراد کی گرفتاری بھی عمل میں آ چکی ہے۔ اور پولیس خاصی سرگرمِ عمل ہے۔

عوام کے ایک بڑے طبقے میں فنانس کارپوریشنوں کے متعلق چھپنے والی خبروں کی وجہ سے شدید بے چینی پیدا ہو گئی ہے کیونکہ ملک کے ان گنت افراد کا سرمایہ ان کارپوریشنوں میں لگا ہوا ہے اور یہ سرمایہ عوام سے بطور امانت، شراکت داری کے تحت حاصل کیا گیا تھا اور انہیں بِلا سُود منافع کاری کی راہ پر لگانے کی کوشش کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں چند ایک لوگوں نے ایسی فنانس کارپوریشنیں قائم کیں لیکن پھر جس طرح جنگل میں آگ پھیلتی ہے، اسی طرح خود رَو فنانس کارپوریشنوں نے کثرت سے جنم لینا شروع کر دیا۔ اور اب حال یہ ہے کہ بالخصوص پنجاب میں شاید ہی کوئی ایسا بڑا قصبہ یا شہر ہو گا جس میں ان فنانس کارپوریشنوں کی کوئی نہ کوئی برانچ موجود نہ ہو۔ اور بلا مبالغہ پچاس ساٹھ فنانس کارپوریشنیں اپنے مخصوص انداز میں سرگرمِ عمل دکھائی دیتی ہیں۔

چند مہینوں میں یہ سب کچھ ہوا ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے، اخبارات و جرائد میں ان فنانس کارپوریشنوں کے حوالے سے بلا سُود کاروبار اور شراکت کے مسئلے پر بہت کچھ کہا گیا ہے اور فنانس کارپوریشنوں کی طرف سے بڑے بڑے دعوے کئے گئے لیکن اب جو صورتِ حال سامنے آئی ہے وہ بڑی تشویشناک ہے اور جن

شکایات کی بناء پر پولیس ان فنانس کارپوریشنوں میں سے چند کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ ان کی نوعیت بڑی سنگین اور مضحکہ خیز ہے کہ عوام کا کروڑوں روپے جمع کرنے والی یہ فنانس کارپوریشنیں معمولی رقوم کے چیک بھی کیش کرنے میں ناکام رہی ہیں اور کروڑوں روپے کی رقوم کے خرد بُرد ہونے کی اطلاعات ملی ہیں۔

اس وقت جب کہ پولیس بعض کارپوریشنوں کے اہم عہدیداروں کو گرفتار کر کے تفتیش میں مصروف ہے اور عدالتی کارروائی کا آغاز ہونے والا ہے۔ ہم حکومت اور انتظامیہ کی ان کوتاہیوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن کی وجہ سے عوام کے کروڑوں روپے کی خطیر رقم کے ڈوب جانے کا اندیشہ پیدا ہو چکا ہے۔

جس وقت یہ فنانس کارپوریشنیں معرضِ وجود میں آئیں اور ان کا چرچا پورے پاکستان میں ہُوا۔ اس وقت حکومت سے متعلقہ کسی اہم شعبے نے ان فنانس کارپوریشنوں کے قیام پر اعتراض نہ کیا اور خود ان فنانس کارپوریشنوں نے بھی اسلامی معیشت اور بلاسودی منافع بخش سرمایہ کاری کا اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کو روزِ اول سے ہی ان فنانس کارپوریشنوں کے وجُود پر اعتراض تھا اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کی طرف سے ان فنانس کارپوریشنوں کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی گئی اور بنکاری کے اس خود ساختہ اور نئے طریقہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا۔

سٹیٹ بنک کے اس رویہ، فنانس کارپوریشنوں کے متعلق چلنے والی عوام اور پریس میں بحث کے باوجود حکومت نے اس طرف سنجیدگی سے توجہ نہ دی اور یہ سراغ لگانے کی زحمت نہ اُٹھائی کہ آخر یہ فنانس کارپوریشنیں کہاں سے سرمایہ حاصل کر رہی ہیں اور اس سرمایے کو کس طرح خرچ کیا جائے گا۔ اور وہ لوگ جو رقوم جمع کرا رہے ہیں، ان کو کیسے تحفظات فراہم کئے گئے ہیں۔ اور کل کلاں کو اگر کوئی کارپوریشن جعلسازی اور

فراڈ کی مرتکب ہوتی ہے اور عوام کی رقوم اور امانتوں کا صحیح استعمال نہیں کرتی تو کیا ہو گا؟

حکومت کے تمام ذمہ دار محکموں اور شعبوں کے سامنے دن دہاڑے پنجاب بھر میں بالخصوص ان فنانس کارپوریشنوں کے دفاتر اور بینک نما شاخیں قائم ہوئیں لیکن حکومت کی طرف سے ایسا کوئی انتظام نہ کیا گیا کہ وہ یہ جائزہ لے کہ ان فنانس کارپوریشنوں کو چلانے والے کس قماش کے لوگ ہیں ان کا ماضی کیا ہے ان کا کاروباری تجربہ کیا ہے اور یہ کس حد تک عوام کے ساتھ مخلص اور ایماندار رہ سکتے ہیں۔

حکومت کی چشم پوشی کی وجہ سے فنانس کارپوریشنوں کو کھلی چھٹی مل گئی اور یوں انہوں نے عوام کے کروڑوں روپوں کی رقوم کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اب جس طرح کی خبریں بعض فنانس کارپوریشنوں کے بارے میں ہو رہی ہے ان کے پیش نظر کم ازکم اب بھی حکومت کو چاہیئے کہ وہ تمام فنانس کارپوریشنوں کے ریکارڈ کو فوری طور پر اپنے قبضے میں لے اور دفاتر کو سربمہر کر دے۔ فنانس کارپوریشنوں کے اہم عہدیداروں کے ملک سے چلے جانے پر پابندی لگا دے اور جائزہ لیا جائے کہ یہ فنانس کارپوریشنیں کیا گل کھلا رہی تھیں اور عوام کی امانتوں کو اب کس طرح واپس کیا جا سکتا ہے۔

روزنامہ وفاق نے اپنے اداریے میں لکھا:۔

بعض نام نہاد فنانس کمپنیوں کے اربابِ اختیار کی گرفتاری اور اس ضمن میں شرمناک حقائق کے انکشاف سے ان خدشات کی تصدیق ہو جاتی ہے جو گذشتہ کئی ماہ سے باخبر حلقوں کی طرف سے ان اداروں کی کارکردگی اور دیانت و امانت کے بارے میں ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ حکومت نے بلاشبہ ایک سے زائد بار عوام کو ان کمپنیوں کے بارے میں متنبہہ کیا ہے اور جن لوگوں کی رقوم ان میں ضائع ہوئی ہیں وہ اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہیں لیکن اتنے طویل عرصہ تک لاتعداد کمپنیوں کو

تشکیل پانے کا موقعہ دینا اور ان کا کمپنیز ایکٹ کے تحت اپنے آپ کو رجسٹر کرانے میں کامیاب ہوجانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انتظامی اور قانونی سطح پر سماج دشمن اور دھوکہ باز عناصر کی روک تھام کا مؤثر انتظام موجود نہیں اور کوئی بددیانت شخص یا گروہِ اشخاص عوام اور حکومت دونوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ملک میں کالا سرمایہ بہت بڑی تعداد میں موجود ہے۔ انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس کے موجودہ قوانین کی وجہ سے یہ سرمایہ دن کی روشنی میں صنعت و تجارت میں نہیں لگایا جاسکتا۔ اس سرمایہ کے مالکان اسے چوری کے مال کی طرح چھپاتے پھرتے ہیں۔ اس کا مصرف یا تو سامان تعیش کی خریداری اور یا چوری چھپے تھوڑا بہت کسی کاروبار میں کھپت ہے۔ جس وقت کچھ حوصلہ مند لوگوں نے اپنی ہمت ذہانت اور ایک حد تک چالاکی سے اس سرمایہ کی کھپت کا ایک راستہ تجویز کردیا تو ہزاروں لاکھوں لوگ جو کالے سرمایے کو چھپا کر بیٹھے ہوئے تھے ان کے جال میں گرفتار ہوگئے اور انہوں نے اپنی دولت ان کے حوالہ کردی۔ اب اتفاق سے یہ دولت حاصل کرنے والوں میں گنتی کے چند افراد تو صحیح خطوط پر کام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ وہ عوام کے سرمایہ کو پیداواری اور تعمیری منصوبوں میں لگا رہے ہیں۔ رقم کے مالکان کو منافع بھی دے رہے ہیں اور بوقت ضرورت ان کی رقم کا ایک حصہ واپس بھی کردیتے ہیں۔ ایسے معدودے چند لوگوں کی وجہ سے قومی معیشت میں بھی کچھ بہتری کی توقع پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے سینکڑوں تعلیم یافتہ افراد کو روزگار بھی فراہم کیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسے محتاط اور صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور ان لوگوں کی اکثریت ہے جو اہلیت سے بھی عاری ہیں اور دیانت و امانت کی خصوصیات سے بھی محروم ہیں۔ ان لوگوں نے صرف مہذب ڈاکہ زنی کی ہے اور مختلف حیلوں سے کروڑوں روپے لوگوں سے چھین لئے ہیں۔ یہ لوگ یقیناً اپنے کئے کی سزا پائیں گے

اور مذکرہ صدر کارروائی سے اس عمل کا آغاز ہو گیا ہے ۔

لیکن اس سارے تجربہ میں اصل چیز جو حکومت کی توجہ کی مستحق ہے وہ یہ ہے کہ جو فاضل سرمایہ ٹیکس قوانین کے خوف سے تجوریوں میں بند ہے یا جسے کھل کر استعمال نہیں کیا جا رہا اسے گردش میں لانے اور اس سے قومی تعمیر و ترقی کا کام لینے کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہیئں ۔ یہ روپیہ انکم ٹیکس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہی جمع کیا گیا ہو گا اور قانونی زبان میں یہ واقعی کالا سرمایہ ہے، لیکن ایک دفعہ جب یہ جمع ہو گیا ہے تو اسے گردش میں لانے اور جعلی فنانس کمپنیوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچانے کے لئے لازماً کوئی تدبیر کی جانی چاہیئے ۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ فنانس کمپنیوں کو بعض حدود اور شرائط کے ساتھ کام کرنے کی باضابطہ اجازت دی جائے ۔ دوسری شکل یہ ہے کہ انفرادی سرمایہ کار کو ایک خاص حد تک چھوٹ دے کر اپنے سرمایہ کا اعلان کرنے کی اجازت دی جائے ۔ موجودہ صورت حکومت، قومی معیشت اور خود سرمایہ کے مالکان میں سے کسی کے لئے بھی باعث اطمینان نہیں اور اس کا ازالہ کرنے کی تدابیر پر غور ہونا چاہیئے ۔

روزنامہ صداقت لاہور نے اپنے اداریے میں لکھا :-

بالآخر فنانس کارپوریشنوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی گئی ہے ۔ اب تک تین فنانس کارپوریشنوں کے بڑے عہدیداروں کی گرفتاری عمل میں آ چکی ہے ان پر الزام یہ ہے کہ وہ جعلسازی سے لوگوں سے روپیہ ہتھیا رہے تھے اور ان کا کاروبار کسی ضابطے اور کاروبار کے تحت نہیں تھا ۔ ان فنانس کارپوریشنوں کے خلاف کارروائی ان شکایات کی بناء پر ہوئی ہے جو مختلف افراد نے کی تھیں ۔ جن لوگوں نے ان کارپوریشن کے جھانسے میں آ کر اپنی رقوم ان کے پاس جمع کرا دی تھیں ۔ ان میں سے بعض کو بوقتِ ضرورت مطلوبہ رقوم واپس نہ ملیں تو انہوں نے پولیس سے شکایت

کی نتیجتاً پولیس نے ان کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ ہمیں حیرت اس امر پر ہے کہ فنانس کارپوریشنوں کے خلاف کارروائی میں اس قدر تاخیر کی گئی۔ بعض کارپوریشنوں کے پاس لوگوں کے کروڑوں روپے جمع تھے اور ان کارپوریشنوں کے عہدیدار لوگوں کے مال پر دادِ عیش دے رہے تھے۔ ایک فنانس کارپوریشن نے لوگوں کے روپے سے تیس کاریں اور دو سو پچاس موٹر سائیکل خریدے تھے۔ دفاتر کی آرائش و زیبائش اور دوسری مدات پر انہوں نے جو رقوم خرچ کیں وہ الگ ہیں۔ ہم اس بات کے حق میں ہیں کہ ایک جمہوری ملک اور آزاد معاشی نظام میں لوگوں کو کاروبار کی آزادی ہونی چاہیئے لیکن فنانس کارپوریشنوں کا کام بینکنگ کے خطوط پر ہو رہا ہے اس لئے ضروری تھا کہ ان کارپوریشنوں کے معاملات پر شروع دن سے کڑی نگاہ رکھی جاتی۔ جن کارپوریشنوں نے عوام سے جعلسازی کی اور ان کی رقوم ہتھیا لیں۔ اب ان کے خلاف کارروائی سے لوگوں کی رقوم تو واپس نہیں مل سکیں گی۔ ان کے عہدیداروں اور جعلسازوں کے مرتکب افراد کو سزائیں بھی دے دی جائیں تو اس سے لوگوں کے نقصان کا ازالہ نہیں ہو سکے گا۔ رہا یہ سوال کہ لوگوں نے بلا سوچے سمجھے اپنی رقوم ان اداروں کے پاس کیوں جمع کرائیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سادہ لوح لوگ جعلسازوں کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں۔ فنانس کارپوریشنیں بہر حال یہ تاثر دے رہی تھیں کہ وہ منافع بخش کاروبار کر رہی ہیں اور یہ کہ وہ حکومت کے منظور شدہ اداروں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ فنانس کارپوریشنوں کے حسابات منجمد کر دیئے جاتے تاکہ ان کے عہدیداروں کو یہ رقوم ٹھکانے لگانے کا موقع نہ ملتا۔ اور یہ کھاتہ داروں میں حصہ رسدی تقسیم ہو جاتیں۔ اندیشہ یہ ہے کہ جن کارپوریشنوں کے خلاف ابھی تک کارروائی نہیں ہوئی وہ لوگوں کی رقوم ٹھکانے لگانے میں دیر نہیں کریں گی اور اپنے حسابات میں ہیر پھیر کریں گی۔ جن فنانس کارپوریشنوں نے عوام کے ساتھ جعلسازی

کی ہے۔ انہوں نے اصل میں ایسے تمام افراد اور لوگوں کے راستے میں کانٹے بوئے ہیں جو عوام کے تعاون کے ساتھ دیانتداری کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

روزنامہ نوائے وقت کا اداریہ۔

کرائمز برانچ پولیس نے ایک اور فنانس کمپنی کے تین اعلیٰ عہدے داروں کو گرفتار کرنے کے علاوہ اس کے بعض دفاتر سربمہر کر دیئے ہیں، اور اُن کے گھروں وغیرہ سے کمپنی کی کاریں اپنی تحویل میں لے لی ہیں۔ پولیس نے یہ کاروائی اس کمپنی کے بعض کھاتہ داروں کی طرف سے شکایات موصول ہونے پر کی ہے۔ پولیس کے اسی شعبے نے تین دن پہلے دو اور فنانس کمپنیوں کے خلاف شکایات موصول ہونے کے بعد اسی قسم کی کاروائی کی تھی۔ اب جس تیسری کمپنی کے احتساب کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق اخبارات میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی ہے کہ اس نے لوگوں سے مبینہ طور پر چالیس کروڑ روپے حاصل کر لئے تھے، جس میں نصف رقم ٹھکانے لگائی جا چکی ہے، اور کافی سرمایہ بیرونِ ملک بھی منتقل کیا جا چکا ہے۔

ان نام نہاد فنانس کمپنیوں کے دھڑا دھڑ قیام کا سلسلہ ڈیڑھ دو سال پہلے بھیڑ چال کے انداز میں شروع ہوا تھا، اور ان کی طرف سے نجی شعبے میں سرمایہ کاری اور بلاسود معیشت کے اصول و نظریہ پر عمل درآمد کے سلسلے میں بڑے بلند بانگ اعلانات کئے گئے تھے۔ یہ کاروبار شروع ہوتے ہی اس نوعیت کے خدشات ظاہر کیے جانے لگے تھے کہ ہوشیار اور چرب زبان عناصر مبینہ طور پر فریب کا جال پھیلا رہے ہیں، اور جو لوگ ملازمت کے لالچ میں ان کے لیے سرمایہ حاصل کر رہے ہیں، وہ جلد ہی نہ صرف خود پچھتائیں گے بلکہ اپنے بعض اعزہ و احباب اور دوسرے لوگوں سے ان کی بچتوں اور عمر بھر کی کمائی حاصل کریں گے۔ جب ان کی آنکھ کھلے گی، تو وہ بھی دست تاسف ملتے نظر آئیں گے۔ ان خدشات کے جواب میں حکومت کی طرف سے صرف اس اعلان و انتباہ کے چند بار اظہار پر ہی اکتفا کیا گیا۔ کہ یہ فنانس کمپنیاں بنکوں کے طور پر کام کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔ اس انتباہ کا مقصد اگرچہ لوگوں کو ہوشیار اور محتاط کرنا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ جب چکنی چپڑی باتوں اور خطیر منافع حاصل کرنے کی حرص کا جادو چل جائے، تو پھر کم از کم سادہ لوح افراد کے لئے اس ہمہ رنگ زمین دلم میں پھنسنے سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔ خاص طور پر اس وقت، جب اُن کے اپنے عزیز یا برادری اور علاقے کے بزرگ یا بارسوخ اور معتمد افراد بھی انہیں بہلانے پھسلانے اور گمراہ کرنے میں سرگرم ہوں۔

اب پولیس کی طرف سے پکڑ دھکڑ اور احتساب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ وہ نہ صرف بہت بعد از وقت ہے۔ بلکہ بڑا محدود بھی ہے۔ قانون کے تحت پولیس صرف انہی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے، جن کے بارے میں شکایت باضابطہ طور پر اس کے علم میں لائی جائے۔ لیکن اب صرف تین چار کمپنیوں کے خلاف جو کارروائی شروع ہوئی ہے، اس کا ردِ عمل بڑا فوری اور شدید ہو گا۔ اور جو لوگ محض لالچ کی وجہ سے یا کسی اور فریب میں آکر اپنی بچتیں اور رقوم ان کمپنیوں کے حوالے کر چکے ہیں وہ پریشان و مضطرب ہو کر ان کمپنیوں کے دفاتر کا رُخ کریں گے، اور ان کے دروازے بند پا کر اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں گے یا پھر پولیس سے رجوع کریں گے۔ اس سلسلہ کے اسی طرح بڑھنے کا انتظار کرنے کے بجائے مناسب صورت یہ ہے کہ حکومت اس معاملے میں کوئی مربوط اور نتیجہ خیز لائحہ عمل اختیار کرے، اور تمام فنانس کمپنیوں کے معاملات و حسابات کی پڑتال کرے۔ ان کمپنیوں کے کارفرماؤں کو دفتر بند کرنے، روپوش ہونے یا ملک سے باہر چلے جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس سلسلے میں ضرورت کے مطابق مارشل لار کا ضابطہ جاری کرنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ بنکوں میں کمپنیوں اور ان کے کارفرماؤں کے کھاتے بھی منجمد کر دینے چاہئیں، اور ان کی ہر قسم کی املاک کی مؤثر نگرانی ہونی چاہیئے۔ ان کمپنیوں کے جال میں پھنسنے والے سب لوگوں کی تمام رقوم کی بازیابی تو غالباً ممکن نہیں ہو گی، کیونکہ جو بے پایاں سرمایہ دفتروں کے کرایہ و آرائش۔ کارفرماؤں کے بنگلوں، کاروں اور الوں تلوں پر خرچ ہو چکا ہے، وہ تو عملاً بٹہ رو میں بہہ چکا ہے" لیکن جو کچھ بھی بچایا جا سکتا ہے۔ اس کے سلسلے میں تو کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ اس نوعیت کے ملک گیر انتظامی اقدام کے بجائے اگر معاملہ صرف انفرادی شکایات اور پولیس والوں کی ہی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو چھاپوں، گرفتاریوں، املاک کو قبضے میں لینے کی سنسنی خیز اطلاعات تو چند دن تک منظرِ عام پر آتی رہیں گی جن سادہ لوح اور بدقسمت افراد کی رقوم ان نام نہاد کمپنیوں کی تحویل میں آچکی ہیں۔ ان کے حصے میں شاید "جلے گھر کے کوئلے" بھی نہیں آئیں گے۔

فنانس کمپنیوں کے معاملات سے نہ حکومت پہلے بے خبر تھی، اور نہ اب اس کے لیے بے نیازی اور سرد مہری کی کوئی وجہ جواز ہے۔ یہ درست ہے کہ حکومت کی طرف سے شروع سے لوگوں کو خبردار اور متنبہ کیا جاتا رہا ہے۔ ایک مرحلے میں سرکاری انتظام میں لیے گئے بنکوں نے بھی ان فنانس کمپنیوں کے کھاتے بند کر دینے کا تاثر دیا تھا،

اس سے بھی ان لوگوں اشتباہ ہو جانا چاہیے تھا۔ جنہوں نے کسی بھی وجہ سے اپنا سرمایہ ان کی تحویل میں دے دیا تھا لیکن اب یہ معاملہ اشتباہ سے بہت آگے بڑھ کر فوری اور سخت اقدام کا متقاضی ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار کمپنیوں کے معاملات بالکل درست ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کمپنیوں کی طرف سے کارخانے لگانے، ہاؤسنگ وغیرہ کے "پیداواری" کے جو اعلانات کیے جاتے رہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد نہ ہوں، لیکن معاملے نے جو صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ لوگوں کے مفاد میں جو کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اہتمام میں ایک دن بلکہ ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی جائے اور یہ کارروائی نہ صرف مکمل ہونی چاہیے بلا تمیز و تفریق اور بے لاگ نظر بھی آنی چاہیے، اور جو افراد لوگوں کے اعتبار و اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھانے، ان کی بچتوں کو ہتھیانے اور ضائع کرنے یا بیرونِ ملک منتقل کرنے کے مرتکب پائے جائیں، انہیں فی الواقع عبرتناک سزا ملنی چاہیے، خواہ اس مقصد کے لیے خصوصی قانونی انتظام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ بہر حال اب یہ معاملہ صرف پولیس کے چھاپوں اور معمول کے مطابق کارروائی تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ جس کے طریق کار اور طرزِ عمل کے سلسلے میں مارشل لاء کے ضابطوں اور اسلامی تعزیری قوانین کو بھی "نرخ بالا کن" کا ذریعہ بنا لیے جانے کی شکایات زبان زد خاص و عام ہیں، اور فنانس کمپنیوں کا تو سارا معاملہ ہی روپے پیسے کا بے دریغ کھیل ہے۔ اس لیے ان کے احتساب کے سلسلے میں غیر معمولی احتیاط اور ایمانداری خاص طور پر لازمی ہے۔

اس موضوع پر روزنامہ امروز نے لکھا۔

گذشتہ چند روز سے پولیس مالیاتی کارپوریشنوں کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ بعض کارپوریشنوں کے عہدیداروں کو گرفتار اور املاک کو تحویل میں لیا جا چکا ہے۔ بعض عہدیداروں نے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی ہے اور کئی ایک ضمانتیں کرانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ یہ کارروائی بعض کھاتے داروں کی اس شکایت پر عمل میں آئی کہ انہوں نے اپنی جمع شدہ رقوم نکلوانا چاہیں۔ مگر کارپوریشنوں کے عہدیداروں نے ٹال مٹول شروع کر دی جس سے شبہ ہوا کہ ان کا سارا کاروبار ہی جعل اور فریب پر چل رہا ہے۔ اور وہ لوگوں کا کروڑوں روپیہ ہضم کر گئے ہیں۔ چنانچہ پولیس نے تعزیری اقدام کیا اور پہلی بار فنانس کارپوریشنوں کا کردار لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا، یہ

کارپوریشنیں جب قائم ہوئی تھیں اور انہوں نے سود کے بغیر، منافع کی بنیاد پر اپنے کاروبار کا آغاز کیا تھا، تو اخبارات نے ان کی قانونی حیثیت کے بارے میں سوالات اٹھائے، بعد ازاں سٹیٹ بنک کی طرف سے ان کے کاروبار کو غیر قانونی بتایا گیا، ایف آئی اے نے غالباً اسی بناء پر ان کے خلاف تحقیقات بھی کی اور اپنی رپورٹ وفاقی حکومت کو پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں سفارش کی گئی تھی کہ لوگوں کا ایک ارب روپیہ جو مالیاتی کارپوریشنوں کی تحویل میں ہے، اُسے بچانے اور کارپوریشنوں کو باقاعدہ بنانے کے لیے قانون بنایا جائے، ستمبر کے وسط میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت غیر قانونی بنکاری کرنے والے ان اداروں کے خلاف مؤثر کارروائی کر رہی ہے۔ البتہ یہ واضح نہ ہو سکا کہ اس کارروائی کی نوعیت کیا ہو گی۔ مالیاتی کارپوریشنوں کو کام کرتے ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے۔ ان کے پاس لوگوں کا کتنا سرمایہ جمع ہے، اس کے بارے میں صحیح اعداد و شمار تو میسر نہیں، تاہم ایک اندازے کے مطابق ایک ارب روپے سے متجاوز ہے۔

اب فوری مسئلہ یہ ہے کہ یہ سرمایہ کھاتہ داروں کو ملے اور ان کا مفاد محفوظ ہو جائے۔ دوسرے جن اداروں نے بنکاری کے ضابطوں کو توڑا اور ملکی قانون کی خلاف ورزی کی، ان کا احتساب ہو اور ان کے منتظموں سے وہ ساری رقم اگلوائی جائے، جو انہوں نے لوگوں کو سبز باغ دکھا کر اُن سے بٹوری تھی، اگر وہ کھاتے داروں کا حساب چکانے پر آمادہ ہوں (اور اس کے وسائل بھی رکھتے ہوں) تو انھیں اسکی مہلت دی جائے۔ بہرحال ان کے خلاف تعزیری کارروائی ضرور کی جائے تاکہ آئندہ اس نوع کی قبیح صورتِ حال پیدا نہ ہو اور کسی کو یوں کھلے بندوں فریب کاری کی جرأت نہ ہو۔ اس سلسلے میں ان حکومتی اداروں کے کردار کے بارے میں بھی چھان بین ہونی چاہیے، جن کے وجود کا مقصد ہی جعل و فریب کا انسداد کرنا اور قانون شکنی کے رجحان کو ختم کرنا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ادارے چوکس اور مستعد ہوتے اور بروقت اقدام کرنے کی روایت پر کاربند ہوتے تو فنانس کارپوریشنوں کو اتنے وسیع پیمانے پر یہ مذموم کھیل رچانے کی مہلت ہی نہ ملتی، جو ایک طرف بے شمار کھاتے داروں کیلئے پریشانی کا اور دوسری طرف قانون کی عملداری کی عملاً نفی کرنے کا موجب بنا۔ اگر ان نام نہاد فنانس کارپوریشنوں کو کاروبار شروع کرنے سے روک دیا جاتا یا اگر انہیں مروجہ ضابطوں

کا پابند کر دیا جاتا تو نوبت خرابی تک نہ پہنچتی، بہر حال اب بھی لازم ہے کہ فنانس کارپوریشنوں کے خلاف کاروائی کو حکمت و تدبر کے تابع رکھا جائے تاکہ ان کے پاس جمع شدہ رقوم یا لوگوں کے سرمائے سے خریدی جانے والی املاک ضائع نہ چلی جائیں، ساتھ ہی ان کارپوریشنوں کے سینکڑوں اور ہزاروں ملازموں کا مفاد بھی معرض خطر میں نہ پڑے، جو اپنے عزیز و اقارب کی پونجی جمع کرانے کی شرط پر روزگار حاصل کر سکے،

ایک پہلو اور بھی ہے جسے دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ کہ لوگوں نے اپنی رقوم مستند مالیاتی اداروں اور بنکوں کی بجائے فنانس کارپوریشنوں کے پاس جمع کرائیں۔ ایک وجہ تو عیاں ہے، بنکوں کے مقابلے میں زیادہ نفع دینے کی پیشکش، دوسرے "کالے دھن" کو اخفاء میں رکھنے کی خواہش، اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا کتنے کھاتہ دار ایسے نکلیں گے جو ان فنانس کارپوریشنوں کے خلاف تحقیق اور تفتیش میں صحیح معنوں میں ممد و گار ثابت ہو سکیں گے۔ خرابی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اس نوع کی تفتیش بہت ضروری ہے۔ بہر حال توقع یہی رکھنی چاہیئے کہ نجی مالیاتی اداروں کے معاملات کو سلجھانے کے لیے، محض تعزیری کاروائی پر ہی اکتفا نہیں کی جائے گی بلکہ اصلاح احوال کے لیے ہمہ جہت اقدامات کیے جائیں گے، ہم ایک بار پھر اس بات پر اصرار کریں گے کہ نگرانی اور گرفت و احتساب پر مامور اداروں کو زیادہ سے زیادہ مستعد اور چوکس بنانے پر بھی مساوی توجہ دی جانی چاہیے تاکہ سرمائے کے زیاں اور ضیاع کا سلسلہ یکبارگی منقطع اور جعل و فریب کا چلن موقوف ہو سکے۔ ان اداروں کے تساہل و تغافل ہی کے باعث کہیں غیر قانونی کاروبار بھی پنپتا اور پھیلتا ہے اور کہیں جاپان کے کباڑ خانے سے ری کنڈیشنڈ کاروں کا کچرا ملک میں بکھرتا ہے۔ ہمارے جیسا ترقی پذیر ممالک جس کے مالی وسائل محدود ہیں سرمائے کے اس نوع کے ضیاع کا ہرگز متحمل نہیں۔ اسے جو سرمایہ میسر ہے۔ اس کا ایک ایک پیسہ تعمیری مقاصد کے لئے وقف رہنا چاہیے۔

روزنامہ مغربی پاکستان نے لکھا۔

ایک اطلاع کے مطابق وفاقی حکومت نے فنانس کمپنیوں کے خلاف ملک گیر پیمانے پر سخت اقدام کرنے کی تیاریاں کر لی ہیں یہ اقدام ایک آرڈی ننس کے نفاذ کے فوراً بعد شروع کیا جائیگا جس میں فنانس کمپنیوں

کو کاروبار چلانے کی کلی ممانعت کر دی جائے گی۔ اس بار حکومت فنانس کمپنیوں کے کاروبار کو کسی قاعدے اور ضابطے کے تحت لانے کے بجائے ان کے وجود پر کاری ضرب لگانے کا ارادہ رکھتی ہے اور اس مقصد کے لئے وزارتِ خزانہ کے اعلیٰ حکام نے سٹیٹ بنک اور ایف آئی اے کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا ہے۔

ہم نے گذشتہ روز انہی کالموں میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ فنانس کمپنیوں پر پولیس کے اِکا دُکا چھاپوں سے اس سرطان کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ جس نے نہ جانے کتنے گھرانوں کی زندگی بھر کی جمع پونجی لوٹ کر انہیں زندہ درگور کر دیا ہے۔ اس کا علاج عمل جراحی سے ہی ممکن ہے یہ امر خوش آئند ہے کہ اب وفاقی حکومت نے بھی فنانس کمپنیوں کے کاروبار پر پابندی لگانے اور سختی سے مواخذہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

کاش حکومت نے یہ فیصلہ سال ڈیڑھ سال پہلے کر ہی کر لیا ہوتا جب ان نام نہاد کمپنیوں نے نفع بخش شعبوں میں سرمایہ کاری اور بلا سود معیشت کو فروغ دینے کے گمراہ کن نعرے لگا کر اپنا دامِ فریب پھیلایا تھا۔ ان کے بلند بانگ دعوؤں اور نظر فریب اشتہاروں کی بھرمار سے سادہ لوح لوگوں نے اس امید پر ان کمپنیوں میں زرِ کثیر جمع کرا دیا کہ اس کا انہیں معقول منافع ملے گا۔

حکومت نے ان فنانس کمپنیوں کے کاروبار کے سلسلے میں صرف یہ انتباہ کرنا ضروری سمجھا کہ انہیں بنکوں کے طور پر کام کرنے کی اجازت نہیں مگر عام لوگ اس انتباہ کی باریکی کو سمجھ نہ سکے۔ اوپر سے تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں نے ان کمپنیوں میں زیادہ تنخواہ کی ملازمتوں کے لالچ میں آ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ترغیب دلائی کہ یہ فنانس کمپنیاں بڑے نفع بخش صنعتی کاروباری اور تعمیراتی پراجیکٹ شروع کر رہی ہیں۔ اس لیے ان میں سرمایہ لگا کر ان کے خطیر منافع میں حصہ دار بن جانا چاہیے۔ اس لالچ میں آ کر لوگوں نے ان سرمایہ کاری کے نام نہاد اداروں میں کروڑوں روپے جمع کرا دیئے۔ اور ان کی آنکھ اس وقت کھلی جب پولیس نے ملک کی بڑی بڑی فنانس کمپنیوں کے دفاتر پہ چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور خفیہ تحقیقات سے یہ پتہ چلا کہ ان مالیاتی اداروں نے مالِ مفت دلِ بے رحم کے مصداق کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقوم کو انتہائی بیدردی سے اللوں تللوں پر خرچ کر دیا ہے اور مختلف حیلوں حیلوں سے بھاری رقوم بیرونِ ملک منتقل کر دی ہیں۔

فنانس کمپنیوں کی لوٹ مار کے یہ انکشافات ان کے فریب خوردہ کھاتہ داروں کا صبر و سکون بھی لوٹ گئے

اور وہ دیوانہ وار ان کے دفاتر کا رُخ کر رہے ہیں۔ مگر اب ان بیچاروں کے ہاتھ کچھ نہیں رہا۔ کیونکہ پولیس کے چھاپوں کی خبر سُنتے ہی بعض کمپنیوں کے اٹھائی گیرے راتوں رات اپنے دفاتر کا ساز و سامان تک اٹھا کر روپوش ہو گئے ہیں۔ پولیس کے اینٹی وائس سکواڈ کے عملے نے بلاشبہ غیر معمولی مستعدی کا مظاہرہ کیا اور بعض صورتوں میں بروقت کارروائی کر کے ان کے اثاثوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ مگر اس کھلی لوٹ کے کاروبار کا صحیح علاج پولیس کے اکا دکا چھاپوں سے ممکن نہیں۔ اس کے خلاف فوری اور سخت ملک گیر اقدام کی ضرورت ہے۔ تاکہ کوئی فنانس کمپنی مواخذے سے بچ نہ سکے اور ان کے اثاثوں کی بچی کھچی مقدار کھاتہ داروں کو واپس دلائی جائے۔ اس مقصد کے لئے اگر مارشل لا کی قوت کو بروئے کار لایا جائے تو کھاتہ داروں کے اطمینان کے لئے یہ بہتر صورت ہوگی۔

گرفتاری کے دوران

مجھے اور میرے ساتھیوں سید نسیم حسین جعفری اور بشیر احمد کو رات کے آٹھ بجے کے بعد ہتھکڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ میری تعلیمی قابلیت اور میرے پس منظر کو اس وقت بالکل نظرانداز کر کے مجھے ایک عام چور اور ڈاکو سمجھا جا رہا تھا۔ حالانکہ قانون کے مطابق پولیس افسروں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ ہتھکڑیاں پہنانے سے گریز کریں۔

ہتھکڑیاں پہنتے وقت مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی جانور ہوں جس کو زنجیر پہنا کر زنجیر کا دوسرا سرا ایک محافظ کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے تاکہ جانور بھاگ کر لاپتہ نہ ہو جائے۔ میں نے سوچا کہ ہتھکڑیاں پہناتے جانے پر احتجاج کروں مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ پولیس میں احتجاج کی سزا بہت خوفناک ملتی ہے اور میں ذہنی یا جسمانی طور پر کسی قسم کی خوفناک سزا کے لئے خود کو تیار نہیں پاتا تھا۔ ہتھکڑیاں پہناتے جانے کے بعد ہم تینوں کو پیدل چلا کر تھانہ پرانی انارکلی تک لے جایا گیا اور یہاں ہمیں اسی حوالات میں بند کیا گیا جس میں میرے ایک قابل احترام دوست اور ساتھی جسٹس ملک سعید حسن بھی ایک رات گزار چکے تھے۔ انہیں ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو ؒ کی ہلاکت کے بعد ایک "اشتعال انگیز" تقریر کرنے کے "جرم" میں گرفتار کر کے یہاں بند کیا گیا تھا۔

حوالات میں بند کئے جانے کا منظر بہت ہی سبق آموز اور عبرت انگیز تھا۔ سب سے

پہلے ہمیں ہتھکڑیوں سمیت ایک حوالدار کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس حوالدار نے نہایت تضحیک آمیز انداز سے ہمیں دیکھا، پھر رعونت سے مسکرایا اور فاتحانہ انداز سے مخاطب ہوا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

سید نسیم حسین جعفری

اور تیرا نام کیا ہے؟

بشیر احمد۔

تیرا نام کیا ہے؟

ڈاکٹر یٰسین رضوی۔

تو جعلی ڈاکٹر ہے؟

خاموشی۔

بولتا کیوں نہیں؟

پھر خاموشی۔

سیدھا ہو جائے گا۔ ہمیں سیدھا کرنا آتا ہے۔

اپنے اپنے نام، پتے، ذات اور باپ کا نام لکھواؤ۔

ہم لوگوں نے حکم کی تعمیل کی۔ نام پتے لکھوائے۔ اس کے بعد ہمیں حوالات کی طرف ہانک دیا گیا۔ حوالات کے باہر کھڑے ہوئے سپاہی نے ہم تینوں کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا اور پھر ہماری تلاشی لی گئی۔ ہماری جیبوں میں اور کلائیوں پر جو کچھ تھا وہ تو ہتھکڑی پہناتے وقت ہی قبضے میں لے لیا گیا تھا اس لئے اس تلاشی میں کچھ برآمد نہیں ہوا۔

اس کے بعد ہمیں جوتے اتارنے کو کہا گیا اور تب ہمیں معلوم ہوا کہ حوالات بھی "جائے ادب" ہے جہاں جوتوں سمیت جانا جرم ہے۔ میں نے بوٹ پہن رکھے تھے۔ ہتھکڑیوں سمیت بوٹ کے تسمے کھولنے میں دقت ہوئی تو ایک طرف سے موٹی سی گالی کی آواز آئی جس پر

نسیم حسین جعفری نے بڑھ کر میری مدد کر دی اور اس طرح میں اس "تواضع" سے بچ گیا جو عام طور سے تھانوں میں گالی کے فوراً بعد کی جاتی ہے۔

جُوتے اُتار کر ہم تینوں کو حوالات میں ہتھکڑی سمیت داخل کر دیا گیا۔ اس دوران حفاظتی اقدامات کے طور پر تھانہ پرانی انارکلی کے آہنی دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔

جب ہم لوگ حوالات میں داخل ہو گئے تو حوالات کی سلاخیں بند کر کے تالا چیک کیا گیا اور اس کے بعد ایک سپاہی نے سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر ہم تینوں کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ یہ سب کچھ بالکل ایسے طرح ہوا جیسے کسی پرندے کو جال میں پھانس کر پنجرے میں ڈالتے ہی پنجرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور پرندہ حسرت بھری نگاہوں سے سلاخوں کے دوسری طرف بیٹھ کر ان لمحوں کو یاد کرنے لگتا ہے جو اس نے آزاد فضا میں پرواز کرتے ہوئے گزارے ہوتے ہیں۔ جس طرح قفس میں آنے سے قبل پرندے نے کوئی جُرم نہیں کیا ہوتا اسی طرح میں نے بھی حوالات میں آنے سے قبل کوئی جرم نہیں کیا تھا اور میں مسلسل سوچ رہا تھا کہ میرے صیّاد نے مجھے کس جُرم کی سزا دی ہے؟ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر اسی طرح میرے صیّاد کو بے قصور گرفتار کر کے اس حوالات میں دھکیل دیا جائے تو اس کے احساسات کیا ہوں گے؟

حوالات کیا ہوتی ہے؟ یہ ایک پنجرہ ہوتا ہے جس میں انسان بند کئے جاتے ہیں، جہاں انسانوں سے انسانوں والا سلوک نہیں کیا جاتا۔ جہاں انسان کو شدت سے اپنے حیوان ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے اور جہاں اشرف المخلوقات کو ارذل المخلوقات کی طرح سانس لینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ حوالات میں اس بات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا کہ جس شخص کو بند کیا جا رہا ہے وہ ابھی "مجرم" نہیں گردانا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی سزا کے لمحے شروع نہیں ہونے چاہئیں۔

میں نے جس حوالات میں قدم رکھا تھا وہ پہلے ہی چھ افراد کو جگہ دیئے ہوئے تھی۔ یہ چھ افراد پاک انٹرنیشنل فنانس اور السعودیہ فنانس کے ملازمین تھے۔ ان دونوں فنانس کمپنیوں

کا مالک اکرم نسیم گرفتار نہیں کیا جا سکا تھا۔ وہ "تادمِ تحریر بھی مفرور ہے۔ ہم تینوں کو ملا کر ۱۶ مربع گز کی حوالات میں نو افراد ہو گئے تھے۔ ہمیں ایک شخص سے بعد میں معلوم ہوا کہ "قانون کے مطابق" یہاں ابھی تین افراد کی گنجائش موجود تھی۔

حوالات میں سخت بدبو تھی۔ ایک کونے میں پاخانے کا برتن رکھا ہوا تھا۔ باقی پون حوالات میں دو عدد چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر مذکرہ دو کمپنیوں کے لوگ لیٹے ہوتے تھے۔ ایک کونے میں اگربتی جلا کر تعفن کم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ حوالات کے دروازے کے پاس پانی بکھرا پڑا تھا۔ یہ سب پیشاب تھا جو دروازے میں سے بہہ کر باہر جاتا تھا اور جس میں کھڑے ہو کر حوالاتی اپنے ملاقاتی سے بات کر سکتے تھے۔ یہاں اس امر کا ذکر دوبارہ کرنا ضروری ہے کہ حوالات میں جوتے پہننے کی ممانعت ہے۔ حوالات میں مکھی، مچھر اور چھپکلیاں وافر تعداد میں موجود تھیں اور لائٹ یا پنکھا نہیں لگایا گیا تھا۔ رات کو یہاں بلیاں بھی گھس آتی تھیں۔

سلاخوں کے باہر مٹی کا ایک گھڑا رکھا تھا۔ سلاخوں کے اندر ایک گلاس تھا اور ایک لوٹا بھی تھانے والوں کی اجازت سے "سمگل" کر لیا گیا تھا۔ یہ لوٹا اس طرح بھرا جاتا تھا کہ پہلے سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر گلاس بھر لیجئے، پھر گلاس کو اندر لا کر لوٹے میں انڈیل دیجئے اور اس وقت بھرنے اور انڈیلنے کا یہ عمل جاری رکھے جب تک لوٹے میں پانی بھر نہ جائے۔ ویسے خدا کا شکر ہے کہ لوٹے میں سوراخ نہیں تھا۔

حوالات کے قانون نرالے ہیں۔ حوالات میں سگریٹ آ سکتے ہیں مگر ماچس لانا جرم ہے۔ ظاہر ہے کہ سگریٹ پینے والے ماچس بھی ضرور "امپورٹ" کر لیتے ہیں اور اس امپورٹ کے لئے انہیں جن مراحل سے گزرنا ہوتا ہے وہ تو ظاہر ہی ہیں۔ حوالات میں نہ اخبار لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی لکھنے پڑھنے کی کوئی چیز درآمد کی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود میں نے دیکھا کہ حوالات میں اخبارات کی آمد و رفت بھی جاری ہے اور رقعہ بازی بھی چل رہی ہے۔

ہمارا باقاعدہ استقبال کیا گیا۔ حوالات میں موجود چھ افراد نے پہلے تو ہم سے اپنا تعارف کرایا اور بعد میں خود ہمیں تعارف کرانے کو کہا۔ پرانے حوالاتی یہاں چار روز سے بند تھے۔ ان میں سب سے دلچسپ لوگ حیدرالدین ٹیپو اور سید حسنین شاہ تھے۔ شاہ صاحب باریش تھے اور اپنا بیشتر وقت لطیفے سنانے اور ہمیں حوصلہ دلانے میں گزارتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حوالات میں شیو کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی حوالاتی غسل کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حیدرالدین ٹیپو اور سید حسنین شاہ نے ہمیں وہ باتیں بتائیں جو حوالات میں "کامیاب زندگی" گزارنے کا نسخہ کہلا سکتی ہیں۔

رات ایک بجے تک باتیں کرنے کے بعد سب لیٹ گئے۔ کس طرح لیٹے؟ اس کا فقط تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہم سب لوگ تعلیم یافتہ اور اچھے ماحول میں رہتے ہوتے آتے تھے۔ ۱۶ مربع گز کی شدید متعفن حوالات میں کس طرح لیٹے ہوں گے، اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے۔ میں مچھروں سے سخت الرجک ہوں۔ مگر یہاں مچھروں کی تعداد کے سامنے میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ساری رات بیٹھ کر یا حوالات کی سلاخیں پکڑ کر باہر جھانکتے گزار دی۔ صبح کو سب سے پہلے سید حسنین شاہ اٹھے۔ انہوں نے مجھے جاگتے دیکھ کر اونچی آواز سے کہا۔

"ستار و! تم تو سو جاؤ۔"

پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں دیوار کی طرف منہ کر کے کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاؤں کیونکہ انہیں رفع حاجت کرنی تھی۔ اس کے بعد صبح تک ہم سب نے باری باری دیوار کی طرف منہ کیا۔ صبح سویرے سقا آیا اور بھنگی کو ہمراہ لایا۔ اس نے حوالات کی صفائی کرائی اور صبح ہونے تک ہم سب تیار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے ہمارے ایک ساتھی لیاقت محمود کے ملاقاتی آئے اور ڈیوٹی پر موجود در آنفل بردار سپاہی سے "مصافحہ" کرنے کے بعد انہوں نے ہمیں اخبارات کا سیٹ دیا۔ اس میں لاہور سے شائع ہونے والے تمام اخبارات تھے۔ ہر اخبار میں صفحہ اوّل پر نمایاں انداز سے احسان بٹالوی کی کوٹھی پر چھاپے اور ہم لوگوں کی گرفتاری کی تین سے

چار کالمی سرخیاں لگی تھیں اور ہم لوگوں کی تصویریں بھی شائع کی گئی تھیں۔ اپنی تصویر اس طرح دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے ایک بار پھر خدا تعالیٰ سے دعا کی وہ مجھے اس صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت دے، مجھے اس ذلت سے نجات دلاتے اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر ایک بے گناہ کو اس طرح بدنام کیا ہے انہیں بھی اسی قسم کے اذیت ناک تجربے سے روشناس کراتے۔

ہماری گرفتاری کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ شہر میں ہر شخص کی زبان پر یہی موضوع تھا مگر سب لوگ اس بات پر حیران تھے کہ آخر صرف احسان بٹالوی کی ایکسپریس کمرشل کے خلاف ہی کیوں کارروائی کی گئی ہے۔ جن بہت سی دوسری فنانس کمپنیوں میں کالی بھیڑیں سیاہ کاروبار کر رہی تھیں انہیں کیوں نظرانداز کر دیا گیا ہے؟

تقریباً دس بجے کرائم برانچ کے دو سپاہی ہتھکڑیاں لے کر آ گئے اور ہمیں دوبارہ پابند سلاسل کر کے پیدل چلاتے ہوئے کرائم برانچ لے گئے۔ سڑک پر سے گزرتے ہوئے ہزاروں لوگوں نے ہمیں معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور گزرنے گئے۔ کرائمز برانچ میں ہمیں کھلے میدان میں پڑی ہوئی کرسیوں پر بٹھا دیا گیا اور ہر چند منٹ بعد مختلف سپاہی وہاں سے گزرتے ہوئے نشتر کی طرح کے تیز دھار جملے بولتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرتے رہے۔

حراست کی پہلی شب حوالات میں جاگ کر گزارنے کے باوجود میں تھکا ہوا نہیں تھا۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور مجھے کھانا کھاتے ۲۴ گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے۔ تاہم میں نقاہت بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ یہاں آ کر میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ مجھے گرفتار کر کے آغا آصف خوش نہیں ہیں اور اسی لئے ان کے رویے میں بے پناہ نرمی آ چکی تھی۔ انہوں نے مجھ سے عزت سے بات کی اور بہت ہی اخلاق سے پیش آتے۔ اس رویے کی وجہ سے باقی سپاہیوں کے رویے میں بھی نرمی آ گئی اور میرے ذہن سے خوف اور دہشت ختم ہو گئی۔

ہم تینوں اسی طرح سارا دن باہر کھلے میدان میں بیٹھے رہے۔ شام تین بجے کے لگ بھگ

پاشا صاحب نامی ایک اے ایس آئی آیا جس نے سب سے پہلے تو ہمیں اس طرح دیکھا جس طرح بلی اپنے شکار میں آنے والے چوہے کو دیکھتی ہے۔ اس کے بعد وہ چند ایسی گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھا جنہیں میں پوری ہمت اور ذمّہ داری سے دہرانے کی کوشش بھی کروں تو ناکام ہو جاؤں گا۔ صرف اس قدر سمجھ لیجئے کہ اگر آپ کو غلط ترین گالیاں آتی ہیں تو پاشا کی گالیوں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس نے ایک کرسی کھینچی اور ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ہمیں بتایا کہ ہماری تفتیش وہ خود کرے گا۔ یہاں یہ بات بتا دوں کہ پولیس کی زبان میں تفتیش سے مراد مارنا پیٹنا اور ظلم و تشدّد کے ذریعے اقبال جُرم کرانا ہوتا ہے۔

پاشا نے پولیس کے فٹ کانسٹیبل کی حیثیت سے ملازمت شروع کی تھی۔ بعد میں وہ ترقی کر کے پندرہ بیس روز قبل ہی ہیڈ کانسٹیبل سے اے ایس آئی بنا تھا۔ اس نے اپنے تعارف کے دوران ہمیں بتایا کہ وہ آئی جی اور ڈی آئی جی سے بھی زیادہ ایماندار ہے۔ رشوت نہیں لیتا ہے اور جنرل ضیاؔ سے بھی نہیں ڈرتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہمیشہ "صحیح" تفتیش کرتا ہے اور اس جیسے ایماندار افسر پورے محکمہ پولیس میں نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اس نے سب سے اپنا تعارف کرانے کو کہا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بے گناہ "ملزم" ہوں تو اس نے مجھ سے آہستہ سے کان میں کہا کہ اگر میں ضمانت کے لئے "فلاں" وکیل صاحب کی خدمات حاصل کر لوں تو اس سے آغا آصف اور عبدالحیّ نیازی دونوں بہت خوش ہوں گے کیونکہ وہ وکیل ان دونوں کا گہرا دوست ہے۔ پھر اس نے کہا کہ یہ بات اپنے تک رکھنا۔ اگر تم کہو تو میں تمہیں اس وکیل سے ملوا بھی دوں گا۔

میں نے پاشا کو بتایا کہ میرے بڑے بھائی سید اعجاز حسین رضوی کراچی کے سینیئر وکلاء میں سے ایک ہیں اور لاہور میں بھی چند بے حد سرکردہ وکیل میرے مقدمے کی پیروی کے لئے تیار ہیں۔ میرے بھائی کو اطلاع کرا دی گئی ہے اور وہ آج رات کی پرواز سے لاہور آ رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی پاشا اٹھ کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ ہمارے نگران سپاہی سے کہہ گیا کہ ہم سے کوئی شخص

ملاقات نہ کرنے پائے ورنہ وہ اسے معطل کر دے گا۔ ظاہر ہے کہ پاشا کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے اس کے تجویز کردہ وکیل کی خدمات حاصل کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔

میرے ملاقاتیوں میں سب سے پہلے ممتاز حسین صاحب آئے جو میرے بڑے بھائی ہیں انہوں نے آ کر پابندیوں کے پیشِ نظر سب سے پہلے سب انسپکٹر عبدالحیٔ نیازی سے بات کی اور اجازت لے کر مجھ سے ملے۔ انہوں نے میری ضمانت کی درخواست دے کر ابتدائی کارروائی شروع کر دی تھی۔ اسی روز ہمیں عبدالباسط سہیل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کئے بغیر ہمارا پانچ روز کا جسمانی ریمانڈ لے لیا گیا تھا۔

عبدالحیٔ نیازی کے بارے میں یہاں چند باتیں بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

نیازی پولیس میں سب انسپکٹر ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں اہم تحقیقی خدمات سر انجام دیں اور پھر سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جنگی قیدی بنا دیئے گئے۔ انہیں یوپی کے ایک کیمپ میں تقریباً دو سال رکھا گیا۔ جہاں انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی اور پھر خود ایک تفسیر اپنے ہاتھ سے لکھی۔ بھارتی قید میں وہ اپنے وقت کا بیشتر حصّہ قرآن مجید کی تلاوت اور دوستوں کے ساتھ مل کر تفسیر پڑھتے ہوئے گزارا کرتے تھے۔ قید سے رہائی کے بعد وہ پاکستان آئے اور انہیں اچھرہ میں ایس ایچ او بنا دیا گیا۔ انہی دنوں احمد رضا قصوری کے والد کو قتل کیا گیا اور ایف آئی آر میں قصوری صاحب نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا نام درج کرا دیا۔ یہ ایف آئی آر عبدالحیٔ نیازی نے درج کی تھی۔ اس "جرم" میں عبدالحیٔ نیازی کو جو سختیاں برداشت کرنی پڑیں وہ ظاہر ہیں۔ مگر اس بات پر حیرانی ہے کہ ابھی تک ان کا "جرم" معاف نہیں کیا گیا ہے اور وہ بدستور سب انسپکٹر ہیں حالانکہ ان کی خدمات کے پیشِ نظر اب تک ڈی ایس پی بن جانا ان کا اصولی حق ہے۔

میں ہرگز کسی لالچ یا خوف میں نیازی کی تعریف نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی مجھے صحافتی زندگی میں لالچ یا خوف نے کبھی متاثر کیا ہے۔ مگر یہ بات سچّی اور کھری لگتی ہے کہ عبدالحیٔ نیازی

جیسا ایماندار، دلیر اور جرأت مند شخص میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ یہ شخص سچا ہے اور شاید اسی لئے مظلوم ہے کیونکہ سچ بولنا ہی اس دور کا سب سے بڑا جرم ہے۔ میں چار رات اور پانچ روز تک تین اعلیٰ پولیس افسروں سے "ملزم" کی حیثیت میں براہِ راست متعلق رہا۔ مگر میں نے جو صداقت، شجاعت اور راست کاری عبدالحئی نیازی میں دیکھی اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ عبدالحئی نیازی کو پولیس کے محکمے میں شیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور میں نے رہائی سے قبل اور بعد کئی جگہوں پر اعلیٰ ترین پولیس افسروں کو نیازی کی جرأت اور شاندار ریکارڈ کے بارے میں باتیں کرتے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ میں حوالات اور حراست میں گزارے ہوئے دنوں کی باقی روئداد تحریر کروں، مجھے آغا آصف اور اے ایس آئی پاشا کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے۔

یہ درست ہے کہ آغا آصف نے مجھے بے گناہ جانتے اور مانتے ہوئے بھی گرفتار کرلیا تھا اور اس سلسلے میں میرے دل سے ان کے لئے دُعا نہیں نکلی تھی مگر یہ بھی درست ہے کہ آغا آصف میں کردار کی پختگی موجود ہے۔ وہ اپنی غلطی کا برملا اعتراف کرتے رہے اور انہوں نے حراست کے باقی دنوں میں اعلیٰ اخلاق، حقیقی حسن سلوک اور شرافت کا جو ثبوت دیا وہ لائق تحسین ہے۔ انسان میں خامیاں ضرور ہوتی ہیں اور آغا آصف میں بھی ضرور خامیاں ہیں مگر ان کی خوبیوں کا ذکر ان کی خامیوں سے بہتر ہے۔

تیسرا شخص پاشا تھا۔ یہ شخص جب بھی نظر آتا چند گالیاں دیتا ہوا گزر جاتا۔ اس نے حوالات کے اردگرد بھی کئی پھیرے لگاتے اور آنے جانے والے ملاقاتیوں تک کو مرعوب کرنے کی کوشش کی جبکہ ہم تینوں میں سے کسی کا براہِ راست تعلق ہرگز پاشا سے نہیں تھا اور وہ ہمارا انفیشنی افسر بھی نہیں تھا۔ پاشا ریڈیو اور ٹی وی میں نعت خواں بھی ہے اور شاید اس کام کے لئے اسے پولیس کے محکمے سے باضابطہ اجازت بھی ملی ہوئی ہے مگر ایک نعت خواں

کے منہ سے غلیظ ترین گالیاں، رعونت بھرے جملے اور دھمکیوں بھرے الفاظ سن کر سخت کوفت ہوتی تھی۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اپنی پاک دامنی کا ذکر کرتے وقت اپنا مقابلہ آئی جی ڈی آئی جی سے کیوں کرتا تھا؟

مختصر یہ کہ شام سات آٹھ بجے تک کرائمز برانچ میں بلا وجہ بٹھا کر ہمیں واپس حوالات بھیج دیا گیا۔ یہاں روز کی طرح ہماری تلاشی ہوتی اور جوتے اتروا کر ہمیں بند کر دیا گیا۔ اگلی صبح ہمارے ساتھیوں کو نکالا گیا اور ہم تینوں سارا دن حوالات میں رہے۔ مجھ سے جو دوست اور رشتہ دار حوالات میں ملنے آتے میں ان کی تفصیل تو نہیں دوں گا مگر یہ ذکر ضرور کروں گا کہ کتنے دوست میری طرف سے پیغام ملنے کے باوجود نہیں آتے اور ایسے ہی موقعوں کے لئے یہ شعر کہا گیا ہے:۔

اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

یا اسی بات کو اردو کے محاورے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

دمڑی کی ہنڈیا گئی مگر کتے کی ذات پہچانی گئی۔

حوالات میں ہائی کورٹ کے پبلک ریلیشنز آفیسر شعیب بن عزیز، مس گلشن آرا عالم ایڈووکیٹ، مشرق کے عمر سلیم، امروز کے تاج الدین حقیقت اور دیگر متعدد احباب ملنے آتے۔ ایک اور دوست مسٹر شہباز ملک جو راولپنڈی میں ہیں، خاص طور سے کرائمز برانچ اور بعد میں حوالات آ کر مجھ سے ملے اور میرے لئے پھل لائے۔ یہ اور بات ہے کہ میں شدید ذہنی خلجان میں مبتلا ہونے کی وجہ سے پانچ روز میں صرف دو بار کھانا کھا سکا۔

ہماری حوالات کے سامنے والی حوالات میں صلاح الدین عرف نیلا پہلوان اور نسیم پہلوان بند تھے۔ یہ دونوں ڈکیتی کے الزام میں ماخوذ تھے۔ ان پر تفتیش کے دوران پولیس نے بہت ہی "عنایات" کی تھیں مگر پھر بھی یہ دونوں مسکراتے رہتے اور ہنس ہنس کر دوسری

حوالات میں سے ہم سے باتیں کرتے تھے۔ ہمیں پریشان اور اداس دیکھ کر وہ ہمارا مذاق اڑاتے اور حوصلہ دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

اسی روز کراچی سے اعجاز بھائی بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے میرا وکالت نامہ لے کر میرے دستخط کرانے کی کوشش کی مگر نئی انارکلی تھانے کے ایس ایچ او نے تحریری طور پر وکالت نامے پر دستخط کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بمشکل میرے بھائی اور مس گلشن کو مجھ سے ملنے کی اجازت دی اور میں نے جلدی میں کیس کی چند باتیں انہیں زبانی بتا دیں۔ اسی روز میرے بھائی نے میری ضمانت کی تیسری درخواست دائر کی۔ اس سے پہلے ایک درخواست جسٹس سردار محمد اقبال کے صاحبزادے شاہد اقبال نے دائر کی تھی۔ اور دوسری نواز رانا ایڈووکیٹ کے توسط سے میرے ایک اور بھائی سید ممتاز حسین رضوی نے دائر کرائی تھی۔ چوتھی درخواست اگلے روز شہباز ملک نے دائر کرائی۔

قانون کی رُو سے ۱۳ اکتوبر کو ریمانڈ ختم ہونے سے قبل درخواست ضمانت کی سماعت نہیں ہو سکتی تھی مگر اعجاز صاحب نے میری درخواست پر میرے معالج سے ایک طبّی تصدیق نامہ لے کر ریمانڈ سے قبل درخواست ضمانت کی سماعت کی درخواست کی جو منظور کر کے عدالت نے ۱۰ اکتوبر مقرر کر دی۔ اس روز دس دس ہزار روپے کے دو مچلکوں پر مجھے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۸ تاریخ کا دن حوالات میں گزرا۔ رات کو ہمارے چھ ساتھی آئے تو معلوم ہوا کہ ان کے ریمانڈوں میں توسیع کرائی گئی ہے۔ اگلی صبح ہم سب کو حوالات سے نکال کر ہتھکڑیوں میں تھانہ نولکھا لے جایا گیا جہاں تفتیش شروع کی گئی اور آغا آصف نے ہم سب کے بیان قلمبند کرائے۔ شام تک ہم سب حوالات میں واپس پہنچ گئے تھے۔

اگلی صبح ہم تین آدمی حوالات میں رہ گئے۔ تین کو تفتیش کے لیے کرائمز برانچ بھیج دیا گیا اور باقی تین جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیے گئے۔

دوپہر تین بجے اطلاع ملی کہ علاقہ مجسٹریٹ سید حیدر مہدی نے میری ضمانت کی درخواست منظور کر لی ہے اور نسیم جعفری اور بشیر احمد کی درخواستیں مسترد ہو گئی ہیں۔ شام چھ بجے تک میں رہا ہو چکا تھا اور رات نو بجے کے قریب اچھرہ میں اپنے ایک عزیز جلال الدین اکبر کے ہاں ہوتا ہوا صدر بازار میں اپنی والدہ کے پاس چلا گیا۔

آٹھ اکتوبر کو جب میں اپنے بھائی اعجاز رضوی سے حوالات میں تکلیف کے بارے میں بات کر رہا تھا تو میں نے خاص طور سے پاشا کی دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اس وقت کرائمز برانچ کا ایک سپاہی وہاں موجود تھا۔ اس نے نو اکتوبر کو تھانہ نولکھا سے ہماری واپسی پر کرائمز برانچ میں اے ایس آئی سے کہا کہ یٰسین رضوی ایک وکیل سے آپ کی برائیاں کر رہا تھا۔ یہ سنتے ہی پاشا کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے انتہائی مغلوب الغضب ہو کر مجھے گالیاں دیں، میرے بھائی کے لئے بے حد گندے جملے استعمال کئے اور وہ باتیں کیں جن کا دہرانا کم از کم میرے بس سے باہر ہے۔ اس کے بعد اس نے ہمارے نگران سپاہی کو حکم دیا کہ ہمیں کرسیوں پر بٹھانے کی بجائے زمین پر بٹھایا جائے۔ ہم سب آدھ گھنٹہ زمین پر بیٹھے۔ اس کے بعد آغا صاحب آئے تو ہم کو دوبارہ کرسیوں پر جگہ دی گئی۔ میں نے آغا صاحب سے اس سلوک پر احتجاج کیا تو انہوں نے عالی ظرفی اور شرافت کا زبردست ثبوت دے کر فوراً پاشا کو اپنے شعبہ سے ٹرانسفر کر دیا۔ بعد میں ایک اور کیس میں خود ڈی آئی جی جناب محمد امین نے پاشا کو دوبارہ اے ایس آئی سے ہیڈ کانسٹیبل بنا دیا مگر یہ بات اپنی جگہ مسلّم رہے گی کہ اگر پولیس میں عبدالحیٰ نیازی اور آغا آصف جیسے زندہ ضمیر شخص نہ ہوتے تو پاشا جیسے فرعون صفت پولیس ملازم اپنے محکمے کا وقار کب کا ختم کر چکے ہوتے۔

حوالات میں نہ تو قرآن مجید کی تلاوت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی نماز پڑھنے کا کوئی معقول یا نامعقول انتظام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۶ مربع گز کے کمرے میں سے چوتھائی حصہ یعنی ۴ مربع گز تو بہر حال پاخانے اور پیشاب سے گندا ہوتا ہے۔ پھر بہر ملاقاتی

سے ملنے کے لئے ننگے پاؤں حوالات کے دروازے میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اور پھر ایسے ہی واپس اپنی جگہ جانا پڑتا ہے جس سے پوری حوالات گندی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی طرح ہر حوالات میں ایک واش بیسن اور پردے والے بیت الخلا بنا دیئے جائیں تو اس سے صورتِ حال بدل سکتی ہے۔

حوالات اور جیل میں بہت فرق ہے۔ جیل ایک نسبتاً بڑے اور وسیع قطعۂ زمین میں ہوتی ہے اور وہاں گھومنے پھرنے، کپڑے بدلنے، نہانے، شیو کرنے اور نماز پڑھنے کی پوری سہولت ہوتی ہے۔ وہاں عام طور سے وہ لوگ جاتے ہیں جن کا جرم ثابت ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حوالات میں وہ لوگ رکھے جاتے ہیں جن کا جرم نہ صرف ابھی ثابت نہیں ہوا ہوتا بلکہ جو عام طور سے بے گناہ ہوتے ہیں۔ اور جنہیں دورانِ تفتیش یا دورانِ سماعت مقدمہ بَری کر دیا جاتا ہے۔ ایسے بے گناہ لوگوں کو حوالات میں بند کر کے ان پر ظلم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ جو لوگ عادی مجرم ہیں وہ بتاتے ہیں کہ جیل کی دس راتیں حوالات کی ایک رات سے بہتر ہوتی ہیں۔

جب حوالات میں مجھے ایک رات گزارنے کے بعد سات تاریخ کو نکالا گیا تھا تو ایک پولیس ملازم نے مجھ سے کہا کہ مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میرے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بن سکے گا اور میں باعزت بَری کر دیا جاؤں گا۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ میرے لئے یہی سزا کیا کم ہے کہ تفتیش شروع ہونے اور اس کے بعد مکمل ہونے سے قبل ہی آغا آصف نے میری تصویریں اخبارات میں بطور ملزم شائع کرا کے میرے سترہ سالہ صحافتی کیریئر سے کھیلنے کی کوشش کی ہے اور میرا جرم ثابت ہونے سے قبل ہی مجھے ایک عادی چور، ڈاکو یا قاتل کی طرح ہتھکڑیاں لگا کر حوالات میں دھکیل دیا ہے۔ میں نے حوالات میں شدت سے محسوس کیا کہ:۔

۱۔ پولیس کے پاس شریف شہریوں کو بلاوجہ گرفتار کر کے انہیں بدنام کرنے، انہیں

ہتھکڑی لگانے، حوالات میں بند کرنے اور ظلم و تشدّد کا نشانہ بنانے کے وسیع اختیارات موجود ہیں۔

۲۔ ایسا کوئی قانون فوری طور سے بنایا جانا ضروری ہے جس کے تحت کسی بھی شخص کو جُرم ثابت ہوئے بغیر اور تفتیش کا کوئی واضح نتیجہ نکلے بغیر ہتھکڑی نہ لگائی جائے، حوالات میں بند نہ کیا جائے اور اس کی تصویر اخبارات میں نہ دی جائے۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک شریف شہری کو گرفتار کر کے ایک پولیس افسر کے "کارنامے" کے طور پر اسے بدنام کرا دیا جائے۔

۳۔ حوالات میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ وہاں گندگی، نجاست، ناپاکی اور تعفّن کا خاتمہ ہونا اور ملزم کی زندگی کو مایوسیوں کا شکار ہونے سے بچانا ضروری ہے۔

۴۔ اس بات کی بھی سختی سے ضرورت ہے کہ حوالات کے ہر ملزم کا روزانہ طبّی معائنہ کرایا جائے تاکہ اگر دورانِ تفتیش اس پر تشدّد کیا گیا ہو تو تفتیش کرنے والے افسر کی گوشمالی کی جا سکے۔ واضح رہے کہ پولیس کے قوانین میں تشدّد کی سخت ممانعت ہے اس کے باوجود بہت کم خوش قسمت ایسے ہیں جو حراست کے دوران تشدد کا نشانہ نہیں بنائے جاتے۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اصولی طور سے آغا آصف ڈی ایس پی کو محض احسان بٹالوی کے گھر چھاپہ مار کر صرف انہیں گرفتار کرنا چاہیئے تھا۔ مگر اس ناکام چھاپے میں احسان کو گرفتار نہ کر سکنے کے بعد انہوں نے اپنی گرفتاریوں کا دائرہ وسیع کر کے تین ایسے لوگوں کو گرفتار کر لیا جن میں سے میں ڈسچارج ہو چکا ہوں۔

تفتیش کے دوران ضمانت پر رہائی کے بعد اور مقدمہ سے باقاعدہ باعزّت ڈسچارج ہونے تک میں نے جس طرح آغا آصف سے بات چیت کی اور جن کاغذات تک میری

دسترس بھتی ان کے پیشِ نظر میں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ آغا آصف کو کسی مرحلے پر بھی احسان بٹالوی کی گرفتاری کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ میں سرکاری رازوں کے قانون کے تحت یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے عدالت کا بھی بے حد احترام ہے جس کے پیشِ نظر میں مزید ایسی کوئی بات تحریر نہیں کر رہا ہوں جس سے مقدمے کی کارروائی متاثر ہونے کا خطرہ ہو اور اس طرح مجھے توہینِ عدالت کا مرتکب سمجھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ میری اس کتاب کو پڑھنے والے اس ایک پیراگراف سے ہی بہت سی باتیں اچھی طرح سمجھ لیں گے۔

میری ضمانت کی خبر ۱۱ اکتوبر کے مشرق میں اس طرح شائع ہوئی۔

مقامی مجسٹریٹ مسٹر حیدر مہدی نے ایکسپریس کمرشل فنانس کے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر یٰسین رضوی کی دو مختلف مقدمات میں درخواست ضمانت منظور کرتے ہوئے دس دس ہزار روپے کے دو ضمانت نامے داخل کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ اسی مقدمہ کے دوسرے ملزم زونل مینجر بشیر احمد اور روالتس پریذیڈنٹ نسیم الحسن جعفری کی درخواست ضمانت مسترد کر دی ہے۔ عدالت نے السعودیہ انٹرنیشنل کے سید حسین اقبال شاہ کی درخواست ضمانت بھی مسترد کر دی ہے۔ عدالت نے تفتیشی افسر کو حکم دیا ہے کہ وہ نسیم جعفری کے بارے میں ڈاکٹری معائنہ کی رپورٹ ۱۳ اکتوبر کو عدالت میں پیش کریں چونکہ نسیم جعفری کی جانب سے عدالت میں درخواست پیش کی گئی تھی کہ وہ بیمار ہیں لہذا ان کی ضمانت منظور کی جائے۔

فاضل مجسٹریٹ نے السعودیہ کے سید حسنین اقبال، محمد منیر اور اقبال کا ۱۵ اکتوبر تک کا جسمانی ریمانڈ دے دیا ہے۔ تفتیشی افسر نے السعودیہ انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر خالد یٰسین کے بارے میں بتایا کہ خالد یٰسین نے عدالت کو اپنے بارے میں غلط معلومات فراہم کی ہیں۔ ملزم خالد یٰسین السعودیہ اور پاک انٹرنیشنل کا مشترکہ ڈائریکٹر نہیں ہے۔ تفتیشی افسر نے عدالت میں پی فارم نمبر ۱۲ پیش کئے جو خالد یٰسین نے خود پُر کئے تھے۔

تفتیشی افسر ڈی ایس پی آغا آصف نے عدالت کو بتایا کہ ایکسپریس کمرشل انٹرنیشنل لمیٹڈ غیر قانونی کمپنی ہے جو نصیب احمد کے جعلی دستخطوں سے رجسٹرار کے پاس رجسٹرڈ کرائی گئی ہے۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ کمپنی میں عوام نے جو رقوم جمع کرائی تھیں وہ کسی منصوبہ پر خرچ کرنے کے لئے کرائی گئی تھیں جبکہ کمپنی کے عہدیداروں نے ان رقوم سے کاریں اور دوسری اشیا خریدیں جو خلاف قانون ہے۔ تفتیشی افسر نے عدالت کو بتایا کہ ایکسپریس کمرشل کے مینجنگ ڈائریکٹر احسان بٹالوی کا یہ بیان غلط ہے کہ انہوں نے کمپنی سے جون میں استعفیٰ دے دیا تھا۔ تفتیشی افسر نے عدالت کو بتایا کہ ان کے پاس احسان بٹالوی کا ایک خط موجود ہے جو انہوں نے کمپنی کے بارے میں صدر پاکستان کو ستمبر میں لکھا ہے۔

عدالت نے تمام دلائل سن کر ڈاکٹر رضوی کی ضمانت منظور کر لی چونکہ ان کے بارے میں تفتیشی افسر نے عدالت کو بتایا تھا کہ انہیں ڈاکٹر رضوی کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی ملزموں کی ضمانت کی درخواستیں مسترد کر دی گئیں اور نسیم جعفری کی ڈاکٹری رپورٹ طلب کر لی گئی ہے۔ بشیر کے بارے میں تفتیشی افسر نے بتایا کہ ملزم سمن آباد کی برانچ کو ختم کرنا چاہتا تھا اور ملزم ریمانڈ پر ہے۔

۲۴ اکتوبر کو پولیس نے مجھے مقدمے میں بے گناہ قرار دیتے ہوتے عدالت سے ڈسچارج کرنے کی درخواست کی۔ اس درخواست کا متن اور عدالت کا حکم درج ذیل ہے:

بعدالت حیدر مہدی سیّد مجسٹریٹ درجہ اوّل لاہور

مقدمہ ۔

بجرم ۔۔۔

سرکار بذریعہ ۔۔۔

بنام ڈاکٹر لیلین رضوی ولد سید شمشاد حسین۔ ذات سیّد۔ سکنہ شمشادیہ سکول۔ لاہور چھاؤنی۔

جناب عالی!

گزارش ہے کہ شخص متذکرہ بالا کو مقدمہ عنوان الصدر میں حسب ضابطہ گرفتار کیا گیا تھا، جو کہ ہر دو مقدمات بالا میں بر ضمانت از عدالت آنجناب ہو چکے ہیں۔ چونکہ دوران تفتیش شخص متذکرہ بالا بے قصور ثابت ہوا ہے۔ ملزم پر نہ ہی شبہ قائم کیا گیا۔ نہ ہی کوئی شے از قبضہ شخص متعلقہ مقدمات بالا برآمد ہوئی اور نہ ہی کوئی شے قبضہ پولیس میں لی گئی۔ استدعا ہے کہ چونکہ شخص مذکور ایک پڑھے لکھے" دانشور اور صحافی کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوران تفتیش بے گناہ گردانے جاتے ہیں۔ لہذا ہر دو مقدمات میں شخص متذکرہ بالا کو باضابطہ طور پر باعزت ڈسچارج فرمایا جائے۔ رپورٹ عرض خدمت ہے۔

(تحریر عبدالحئی نیازی)

سب انسپکٹر پنجاب پولیس' ۷۹-۱۰-۲۴

دستخط

فارورڈ کی گئی

پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر

۷۹-۱۰-۲۴

آغا محمد آصف

ڈی ایس پی اینٹی وائس سکواڈ۔ لاہور

۷۹-۱۰-۲۴

حکم عدالت

ملزم بر ضمانت حاضر ہے۔ مثل ملاحظہ ہوئی۔ ملزم کے خلاف کوئی ثبوت میسر نہ آسکا ہے۔ لہذا باعزت ڈسچارج کیا جاتا ہے

حیدر مہدی مجسٹریٹ

۱۹۷۹-۱۰-۲۴

گرفتاری کے بعد

میری گرفتاری سے اگلے روز معلوم ہوا کہ احسان بٹالوی نے ہلٹن ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کی ہے۔ یہ اطلاع ایک ایسے صاحب لائے جو آفاق میں کرائم رپورٹر ہیں۔ اصولی طور سے ذاتی دوستیاں رکھنے اور ذاتی سطح پر دوستیاں نباہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور میں ذاتی طور سے اس تمام طرزِ عمل کے باوجود جو مجھ سے روا رکھا گیا، ہرگز ہرگز آغا آصف سے گلہ مند یا شاکی نہیں ہوں، لیکن مجھے اس بات پر ایک پیشہ ور صحافی کی حیثیت سے اعتراض ضرور ہے کہ آفاق کے رپورٹر صاحب نے خالص پیشہ وارانہ بدنیتی سے کام لے کر احسان بٹالوی کی پریس کانفرنس کی تمام رپورٹ اشاعت سے پہلے ہی آغا آصف کو خود آ کر دی۔ یہ صاحب پولیس کو کیوں خوش کرنے کے لئے بے چین تھے؟ اور اس میں ان کی کونسی مصلحت کارفرما تھی اس کا تو مجھے علم نہیں، مگر میں صرف صحافت کے اعلیٰ معیار کا نام لے کر اپنے اس صحافی دوست سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُنہیں رڈیارڈ کپلنگ نے یہی تربیت دی تھی کہ پولیس کی کاسہ لیسی کی جائے۔ کیا انہیں مولانا ظفر علی خاں نے یہی سکھایا تھا کہ پریس کانفرنس کا متن "جمع کراؤ"۔ کیا صحافتِ جدید کے بانی عنایت اللہ مرحوم نے یہی کہا تھا کہ اخباری رپورٹر پولیس کے مخبروں کی طرح کام کریں اور کیا ابلاغِ عامہ کے سب سے بڑے ماہروں مارشل مک لوہن اور ولبر شریم نے یہی

بتایا تھا کہ پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی اس طرح کی جائے۔

میں آفاق کے ان رپورٹر صاحب کا نام یہاں آرام اور آسانی سے درج کر سکتا تھا مگر میں نے بھی تو پیشہ ورانہ آداب کا لحاظ کر کے صرف ان کی مجہول سی نشاندہی کی ہے۔ کیا وہ ایک صحافی ہونے کا دعویٰ کر کے ایسے ہی معیار کی پیروی نہیں کر سکتے۔ جو لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اور جن کے ساتھ مجھے ملکی اور عالمی سطح پر کام کرنے کا موقع ملا ہے ان میں مغربی پریس کی چند مشہور شخصیات بھی شامل ہیں اور میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ملک کے صدر اور وزیر اعظم، بادشاہ اور آمرِ مطلق سے لے کر معمولی لوگوں تک کے انٹرویو کئے ہیں مگر کبھی بھی اشاعت سے قبل کسی انٹرویو کا متن کسی اور کو نہیں دیا۔ میں نے کبھی کسی ذاتی یا اجتماعی مصلحت کے پیشِ نظر کسی کا دباؤ یا لالچ قبول نہیں کیا ورنہ آج کرائے کے مکان میں نہ رہا ہوتا اور ملازمت کے لئے ایکسپریس کمرشل فنانس کی پیش کش قبول نہ کرتا۔ میں بفضلِ خدا وہ شخص ہوں جس نے پیرس میں آیت اللہ خمینی سے انٹرویو کے بعد ان کے ایک نائب کی یہ درخواست حقارت سے ٹھکرا دی تھی کہ وہ میری "خدمت" کرنا چاہتے ہیں۔ میں زندگی میں ایسی بہت سی پیش کشیں ٹھکرا چکا ہوں اسی لئے مجھے آفاق کے کرائم رپورٹر کی خود فروشی کا ہمیشہ گلہ رہے گا۔

احسان بٹالوی کے ساتھ ہی اظہر حسین جعفری نامی ایک اور صاحب نے بھی پریس کانفرنس سے خطاب کیا تھا۔ ان دونوں پریس کانفرنسوں کی خبریں اس طرح شائع ہوئیں:۔

روزنامہ مشرق لاہور نے اس سلسلہ میں ۸ اکتوبر کی اشاعت میں لکھا۔

ملک میں کام کرنے والی متعدد فنانس کمپنیوں نے آج سے صوبائی دارالحکومت لاہور اور دوسرے شہروں میں کاروبار بند کر دیا اور اپنے دفاتر کو تالے لگا دیئے ہیں۔ یہ اطلاع لاہور اور بیرونِ لاہور جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہے جس سے اکاؤنٹ ہولڈر

جنہوں نے اِن کمپنیوں کے پاس بھاری رقوم جمع کرا رکھی ہیں پریشان ہو گئے اور وہ متعلقہ کمپنیوں کے دفاتر میں پہنچے مگر انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

دریں اثنا بعض فنانس کمپنیوں کے خلاف اکاؤنٹ ہولڈروں کی طرف سے پولیس کے پاس متواتر شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ فلاں کمپنی ان کی رقومات واپس نہیں کر رہی اور چیک کیش نہیں ہو رہے۔ درخواست دہندگان نے اپیل کی ہے کہ ان کی رقومات کی واپسی کے لئے ضروری کارروائی کی جائے۔ اکاؤنٹ ہولڈروں کے ساتھ بعض کمپنیوں کے ملازمین بھی تنخواہوں اور واجبات کے لئے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ جن کو اس شرط پر ملازم رکھا گیا تھا کہ وہ متعلقہ فنانس کمپنی میں ایک حد تک رقوم جمع کرائیں اور پارٹیوں کے اکاؤنٹ کھلوائیں۔ اب عالم یہ ہے کہ اکاؤنٹ ہولڈر مختلف برانچوں کے ایسے ملازمین سے رقوم کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور پارٹیوں سے رقوم جمع کرانے والے ملازمین کمپنیوں کے صدر دفاتر کے چکر کاٹ رہے ہیں جہاں وہ جمع شدہ رقوم کا زیادہ حصہ ارسال کر چکے ہیں۔ ایسے ملازمین صدر دفاتر سے نہ صرف پارٹیوں کی رقوم کی واپسی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی تنخواہوں کی ادائیگی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ لیکن کمپنیوں کے اعلیٰ افسر اپنے دفاتر میں موجود نہیں ہوتے۔ اِس صورت حال نے بعض ایسی کمپنیوں کے ملازمین اور اکاؤنٹ ہولڈروں میں بے چینی اور افراتفری پیدا کر رکھی ہے۔

دریں اثناء لاہور میں پاکستان فنانس کمپنیز ایسوسی ایشن کے صدر سیّد اطہر حسین جعفری نے اعلان کیا ہے کہ جب تک حکومت فنانس کمپنیوں سے متعلق اپنی پالیسی کا اعلان نہیں کرے گی، تمام کمپنیاں اپنا کاروبار بند رکھیں گی اور کسی بھی کھاتہ دار کو ادائیگی یا کسی سے وصولی نہیں کی جائے گی۔ سیّد اطہر حسین جعفری آج یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فیصلہ فنانس کمپنیوں کی ایسوسی ایشن نے کیا ہے جس کی رکن کمپنیوں کی تعداد چھتیس ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس عرصہ میں ہم اپنے ملازمین کو باقاعدگی سے تنخواہیں ادا کریں گے۔ مسٹر جعفری نے کہا کہ ہم نے کام بند کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ پولیس ہمیں ناجائز طور پر کام کرنے سے روک رہی ہے۔ گزشتہ روز ملک کی سب سے بڑی فنانس کارپوریشن ایکسپریس فنانس انٹرنیشنل کے عہدیداروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے اِس سلسلہ میں اس کمپنی کے حسابات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس اس وقت بھی پانچ کروڑ اکسٹھ لاکھ روپے سے زائد اثاثے ہیں۔ ان میں گوجرانوالہ، سرگودھا، کوئٹہ، سیالکوٹ اور بہاولپور میں کروڑوں روپے کی اراضی اور لاہور کی شاہ جمال سُپر مارکیٹ اور گلبرگ لبرٹی مارکیٹ فلیٹس شامل ہیں۔

انہوں نے کہا کہ فنانس کمپنیوں کے قانون میں یہ چیز درج ہے کہ رقم جمع کرانے والے کو اپنا روپیہ نکلوانے کا حق نہیں اور روپیہ واپس کرنا خالصتاً کمپنی کے منتظمین کی صوابدید پر ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت چاہے تو کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے سکتی ہے یا پھر فنانس کمپنیوں کو باعزّت طور پر کام کرنے کا موقع دے۔

دریں اثنا ایکسپریس کمرشل فنانس کے صدر مسٹر احسان بٹالوی نے آج ایک پریس ریلیز جاری کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ ۲۷ جون ۱۹۷۹ء سے عملی طور پر کمپنی سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے انہیں تعلقاتِ عامہ کے شعبے کا سربراہ بنایا ہُوا تھا۔ انہوں نے ۱۸ ستمبر کو ڈائریکٹروں پر واضح کر دیا تھا کہ اب وہ عملی سیاست میں حصّہ لے رہے ہیں اور کمپنی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کمپنی کی صدارت سے بھی استعفٰے دے دیا تھا جس کے بعد وہ ۲۸ ستمبر کو مغربی جرمنی سے واپس پاکستان آگئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ غلط ہے کہ کمپنی کا سرمایہ چالیس کروڑ روپے تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کا سرمایہ کبھی بھی گیارہ کروڑ روپے سے نہیں بڑھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے سرمایہ کینیڈا منتقل کر دیا ہے۔ وہ کبھی بھی کینیڈا نہیں گئے۔

البتہ وہاں پر ان کے ایک برادرِ نسبتی رہتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ تمام کارروائی انہیں سیاست میں حصّہ لینے سے روکنے کے لئے کی گئی ہے۔

ایک اور اخبار میں احسان بٹالوی کا بیان ذرا تفصیل سے شائع ہُوا۔ یہ بیان اس طرح تھا۔

ایکسپریس فنانس انٹرنیشنل کے سابق صدر مسٹر احسان بٹالوی نے ایک بیان میں پولیس کے چند اہل کاروں کی زیادتی کی پُرزور مذمّت کی ہے۔ پولیس نے گزشتہ روز اُن کی گرفتاری کے لئے ان کے گھر چھاپہ مارا تھا۔ مسٹر احسان بٹالوی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ پولیس نے جب میری گرفتاری کے لئے میرے گھر پر چھاپہ مارا تو میرے اہلِ خانہ کو ہراساں کیا گیا اور اُن سے ہتک آمیز سلوک کیا گیا اور پولیس کی طرف سے انتہائی غلط قسم کے اعداد و شمار جاری کئے گئے۔ مسٹر احسان بٹالوی نے بیان جاری رکھتے ہُوئے کہا کہ میں ۲۴ جُون ۱۹۷۹ئہ سے عملی طور پر کمپنی سے علیحدہ ہو چکا ہُوں جبکہ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے میرے کام کو دیکھتے ہُوئے اور میری شہرت کے پیشِ نظر درخواست کی تھی کہ میں تعلقاتِ عامہ کے شعبے کے لئے اپنی خدمات کچھ عرصے تک جاری رکھوں۔ اس وقت میں نے یہ بات مان لی۔ مگر ۱۸ ستمبر کو کمپنی کے ڈائریکٹروں پر یہ واضح کر دیا کہ چونکہ میں عملی سیاست میں حصّہ لینے کا ارادہ رکھتا ہُوں اور یہ پاکستان کی روایت ہے کہ عملی سیاست میں آنے والوں کو جعلی مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے کمپنی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور میں جرمنی چلا گیا۔ ۲۸ ستمبر کو جبکہ یہاں کمپنی کے حالات سازگار نہ تھے میں واپس آیا اور میں نے کمپنی میں موجود دوستوں کو یقین دلایا کہ کمپنی کی ساکھ کو بچانے کے لئے میں ہر ممکن مدد کروں گا۔ مسٹر احسان بٹالوی نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے کروڑوں روپے کا سرمایہ بیرونِ مُلک منتقل کر دیا ہے۔ میں نے بار بار اعلان کیا ہے کہ پاکستان سے باہر روپیہ منتقل کرنے والے بے غیرت اور مُلک کے غدّار ہوتے ہیں۔ میری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ میں سچا محبِ وطن پاکستانی ہوں۔ میرے خلاف یہ تمام کارروائی میرے مخالفین نے

صرف میری ذاتی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لئے اور مجھے سیاست میں آنے سے روکنے کے لئے کی ہے۔ میں قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہوں اور اس کے لئے عدالت سے رجوع کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں عدالت سے انصاف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ دریں اثناء ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ کے افسر تعلقات عامہ نے کہا ہے کہ پولیس نے گزشتہ روز جس انداز سے دفتر پر چھاپہ مارا، سٹاف کو ہراساں کیا، دفتر سے سامان اٹھایا اور کاروں کو قبضہ میں لے لیا۔ وہ کوئی شریفانہ اور مناسب اقدام نہیں ہے۔ آج یہاں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پی آر او پرویز حمید نے کہا کہ سماج دشمن عناصر کے خلاف پولیس کارروائی نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے اثاثہ جات مارکیٹ کی موجودہ قیمت کے مطابق فروخت کئے جائیں تو کمپنی اس وقت بھی ایک کروڑ روپے سے زیادہ منافع میں ہوگی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض افراد کو رقوم کی ادائیگی نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فنانس کمپنیاں بنک نہیں بلکہ سرمایہ کاری کے ادارے ہیں۔

اسی روز ایکسپریس فنانس کے ایک ڈائریکٹر کی طرف سے اخبارات میں ایک اشتہار بھی شائع کرایا گیا جس کا متن اس کتاب میں شامل کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس اشتہار میں کہا گیا تھا کہ :۔

ECFI کی بے مثال کارگزاری، روزافزوں شہرت، نیک نامی اور دن دونی رات چوگنی ترقی دیکھ کر بعض حاسدوں نے خود تراشیدہ الزامات کا سہارا لے کر ہماری کمپنی کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کر دیئے ہیں۔ حقیقتِ حال کو روشن کرنے اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کی بیخ کنی کے لئے کمپنی ہذا کی انتظامیہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کمپنی کے اثاثہ جات کی صحیح صورتِ حال کو سرمایہ کاری کرنے والے اصحاب، ادارہ جات اور عوام کے لئے واضح کیا جائے۔

اثاثہ جات

اربن لینڈ تعدادی ۱۱۴ کنال گوجرانوالہ شہر	۸۲	لاکھ روپے
〃 〃 〃 ۱۰۰ 〃 سرگودھا شہر	۳۹	〃 〃
〃 〃 〃 ۶۴ 〃 کوئٹہ شہر	۲۶،۴۰	〃 〃
〃 〃 〃 ۲۴ 〃 سیالکوٹ شہر	۲۴	〃 〃
〃 〃 〃 ۱۱۴ 〃 بہاولپور شہر	۱۸	〃 〃
۵۲ دکانات - سپر مارکیٹ - شاہ جمال - لاہور	۴۲	〃 〃
کمرشل سائٹ برائے ایکسپریس سپر مارکیٹ مین روڈ - پشاور	۲۰	〃 〃
ایکسپریس فلیٹس لبرٹی مارکیٹ - گلبرگ III - لاہور	۱۹،۲۰	〃 〃
متفرق پلاٹس اندرون ملک	۴۵،۹۰	〃 〃
دیگر سرمایہ کاری	۶۰	〃 〃
چھوٹے درجہ کی سرمایہ کاری	۴۵	〃 〃
کاریں (۳۰ عدد)	۱۸	〃 〃
موٹر سائیکل (تقریباً ۲۵۰)	۲۰	〃 〃
فرنیچر	۳۰	〃 〃
کرایہ پیشگی ادا شدہ	۱۷	〃 〃
نقد	۶۰	〃 〃
میزان	۵،۶۱،۵۰،۰۰۰،۰۰	

- وصولیات برائے سرمایہ کاری ۵،۱۰،۰۰،۰۰۰،۰۰

کمپنی کی انتظامیہ کے لئے یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ تمام متعلقین پر واضح کر دے کہ کمپنی ہذا مندرجہ ذیل شرائط کی روشنی میں قانونی طور پر نقد واپس کرنے کی ذمہ دار نہیں جبکہ

سرمایہ کاری کھاتہ کھولنے کی شرائط میں یہ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ: ۔" سرمایہ کاری کرنے والا واضح طور پر اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنے جمع کردہ حساب سے رقم نکلوانے کا حق نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ ECFI کو جمع شدہ رقوم پر ہمیشہ مکمّل اختیار حاصل رہے گا۔" اس لئے اگر کوئی کھاتہ دار کمپنی کے خلاف، ڈائریکٹروں، آفیسروں اور دیگر ملازمین کے خلاف کسی قسم کا فوجداری مقدمہ کرے گا تو وہ ایسا اپنی ذاتی ذمہ داری پر کرے گا۔ جس کے لئے ہر قسم کا ہرجہ و خرچہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ مزید واضح کیا جاتا ہے کہ اگر کمپنی ہذا کو اپنے اثاثہ جات فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ سرمایہ کاری کرنے والے حضرات کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوگا کیونکہ ان حالات میں اثاثہ جات کی معقول قیمت وصول نہ ہوسکے گی۔ بمقابلہ عام حالات کے۔ کمپنی ہذا اپنا حق محفوظ رکھتی ہے کہ وہ ایسے اشخاص کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے جو کمپنی ہذا کی شہرت، کاروبار، ساکھ کو غیر قانونی، غیر اخلاقی طور پر نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے حضرات پر واضح کیا جاتا ہے کہ کمپنی ہذا ان کے مفاد کے لئے ایسا کوئی کام نہیں کرے گی جس سے ان کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو (انشاءاللہ تعالیٰ)

منظور بھٹی ڈائریکٹر

ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ ۔ ۴ اے ۔ گلبرگ III، لاہور

میری گرفتاری اور احسان بٹالوی کی ضمانت قبل از گرفتاری کی منظوری کے بعد مختلف اخبارات میں بہت کچھ شائع ہُوا۔ اس میں سے چند دلچسپ کالم منتخب کر کے شائع کر رہا ہُوں۔ روزنامہ صحافت نے گنجے چہرے کے عنوان سے ۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو الیاس شاکر کا کالم شائع کیا جو اس طرح ہے :۔

آخر کار سُود خور "بابائے فنانس کمپنیز" احسان بٹالوی پکڑا گیا، لیکن سُنتے ہیں کہ پولیس نے اس کی جیب ٹٹولنے کے بعد اسے رہا کر دیا۔ احسان بٹالوی کی گرفتاری اور رہائی ڈرامے کا آخری ایکٹ ثابت ہُوئی۔

شور سنتے تھے کہ وہ جو کل تک مال روڈ پر پیدل گھومتے تھے اور "مرغ چھولے" سے اپنے پیٹ کا جہنم بمشکل بھر پاتے تھے۔ یکایک مرسڈیز میں گھومنے لگے۔ انٹرکانٹینٹل ہوٹل میں جا کر کنواری مرغیوں کی یخنی پینے لگے تو سب کو حیرت ہوئی کہ زمانے کا کنگلا کیسے دولت کے ڈھیر پہ بیٹھ گیا۔ کریدنے والے کریدتے رہے اور نصیبوں والے گلچھرے اڑاتے رہے۔ مال روڈ کے ان پیدل سیٹھوں کی دولت تک رسائی۔ بذریعہ "فنانس کمپنی" ہوئی!! سب پوچھنے لگے کہ فنانس کمپنی کی ہوندی اے!! یہ کیسے بنتی ہے۔ روپیہ کہاں سے آتا ہے کیا رجسٹرڈ بھی کرانا پڑتا ہے؟ اور پھر سب کو پتہ چل گیا کہ فنانس کمپنیاں کیسے بنتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے فنانس کمپنیوں کی دکانیں کھلنے لگیں۔ بورڈ نصب ہونے لگے۔ فیلڈ آفیسروں اور ڈائریکٹروں کی بھرتی ہونے لگی۔ ہر فنانس کمپنی کے دروازے پر فلمی ڈائریکٹروں کے کمروں کے باہر نصب تختی سے ملتی جلتی تختیاں نصب رہنے لگیں۔ "بھرتی جاری ہے"۔ ملازمت حاضر ہے! اِن تختیوں نے کئی غریبوں کا تختہ کر دیا۔ کئی متوسط لوگوں کی جیبوں کے بخیئے ادھیڑ دیئے۔ لوٹ کا کاروبار چل نکلا۔ مرسڈیز کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ انٹرکان کی کنواری مرغیاں تڑپ تڑپ کر جان اور یخنی دینے لگیں۔

فنانس کمپنیاں خوش فہمیوں کا زینہ ثابت ہوئیں۔ اخبارات کے منہ بند کرنے کے لئے ان کے منہ میں ضمیمے اور اشتہارات ٹھونس دیئے گئے۔ لوگ لٹتے رہے اور لوٹنے والوں کو اخبار والے "سلجھے داری"، کی بنیاد پر لوٹتے رہے۔ ایک ہنگامہ تھا کہ کسی کو لوٹ مار اور مال بنانے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ دولت کی چکا چوند نے آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ قانون سے بے پرواہ ہو کر قانونی اجازت نامے اور اختیار نامے کے ساتھ لوگوں کی جیبوں پر نقب لگایا جا رہا تھا، لیکن عوام کے دکھ میں اشتہارات وصول کر کے موٹے ہونے والے اخبارات خاموش تھے کہ خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری!!

بعد میں لوگوں کو جب شکایت ہوئی کہ جی فلاں فنانس کمپنی کا "وہ" میرا سب کچھ

لُوٹ کر فرار ہو گیا ہے تو پولیس حرکت میں آئی۔ قانون حرکت میں نہیں آیا اور جیسا کہ پولیس کی حرکت میں بڑی برکت ہوتی ہے اِس لئے متعلقہ تھانوں کے انچارجوں کے گھر میں برکت ہی برکت نظر آنے لگی۔ مجرم پکڑا جاتا تھا لیکن اگلے دن جس طرح نالائق بچّہ کلاس سے نکال دیا جاتا ہے مجرم بھی کان سے پکڑ کر تھانے سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔

اب احسان بٹالوی پکڑا گیا تو لوگوں کو کچھ یقین ہُوا کہ شاید کچھ فیصلہ ہو جائے۔ آخر سب ہی تو لیٹرے نہیں ہوں گے اور کون جانے کہ احسان بٹالوی بے گناہ ہو!! اس کا فیصلہ اب عدالت کرے گی۔ لیکن عدالت تو جب کرے گی نا جب بات عدالت تک جائے گی۔ لیکن اتنا ہے کہ اگر ایک دفعہ معاملہ عدالت تک چلا گیا تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے گا۔ ورنہ لوگ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ دال میں اگر کچھ کالا نہیں تو کم از کم پیلا ضرور ہے۔

روزنامہ مغربی پاکستان نے "احوالِ واقعی" کے عنوان سے اطہر مسعود کا کالم ۱۴ اکتوبر کو شائع کیا۔ کالم یُوں تھا:-

فنانس کمپنیز ایمپلائز ایسوسی ایشن کے مطابق پنجاب کے چیف سیکرٹری مسعود نبی نور نے انہیں یقین دلایا ہے کہ حکومت فنانس کمپنیوں کے کھاتہ داروں کی رقوم کا تحفظ کرے گی۔ اس سلسلے میں فنانس کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کے پاسپورٹ ضبط کئے جا رہے ہیں اور حکومت فنانس کمپنیوں کی ساری جائیدادیں نیلام کر کے کھاتہ داروں کو رقم کی ادائیگی کریگی۔

فنانس کمپنیوں کے سلسلہ میں اس وقت جو ڈرامہ ہو رہا ہے اس سے کم از کم اتنی بات ضرور صاف ہو جاتی ہے کہ ہمارے ہاں یہ روایت بن چکی ہے کہ کسی بھی مسئلہ کے حل کی طرف توجہ اس وقت دی جاتی ہے جب پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بار بار مشاہدہ کیا ہے کہ عوام الناس اور پریس نے جس مسئلہ کی جانب سب سے زیادہ توجہ دلائی اس مسئلہ کو اسی شدت سے نظر انداز کیا گیا۔ مثال کے طور پر بنکوں کے ملازمین کا مسئلہ پیدا ہُوا تو

مُلک بھر کے اخبارات نے حکومت کی توجہ اس طرف دلائی اور مشورہ دیا کہ ملازمین کے مطالبات اگر جائز ہیں تو اُن کو فی الفور تسلیم کر لیا جائے اور عوام الناس کو خواہ مخواہ پریشان نہ ہونے دیا جائے لیکن ہُوا یہ کہ ملازمین نے پہلے جزوی ہڑتال کی۔ پھر اپنے احتجاج کو شدّت دی۔ بالآخر پاکستان کے سفید ہاتھی وزارتِ خزانہ نے ان کا مسئلہ سُنا اور اسے تسلیم بھی کر لیا۔ لیکن جو کچھ مانا گیا اس پر عمل نہ ہُوا اور بنکوں کے ملازمین ایک دفعہ پھر احتجاج کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اسی طرح نرسوں کے سکیل میں اضافہ کا مسئلہ پیش آیا تو سیکرٹری صحت پنجاب نے نرسوں کے ساتھ بد کلامی کی اور ان کی شکایت تک سُننے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب یہی معاملہ گورنر پنجاب اور صدر پاکستان کے نوٹس میں آیا تو انہوں نے نہ صرف اس پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا بلکہ خاصی حد تک شکایت کا ازالہ کر دیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ افسر شاہی نے ابھی تک صدرِ پاکستان اور گورنروں کی یقین دہانیوں کو عملی جامہ نہیں پہننے دیا۔

بالکل یہی حال فنانس کمپنیوں کا ہے۔ پاکستان میں جب فنانس کمپنیوں کا آغاز ہُوا اور فنانس کمپنیاں راتوں رات پیدا ہونے لگیں تو اخبارات نے ان کی بڑھتی ہوئی تعداد پر شدید اضطراب ظاہر کیا۔ حکومت سے بار بار مطالبہ کیا کہ اس صورتِ حال کو کنٹرول کیا جائے لیکن جو کچھ ہُوا وہ سب کے سامنے ہے کہ سینکڑوں جعلی فنانس کمپنیاں معرضِ وجود میں آئیں اور عوام کا بے شمار روپیہ لے کر فرار بھی ہو گئیں۔ ایک اندازہ کے مطابق فنانس کمپنیاں اب تک عوام الناس کا کروڑوں روپیہ ہضم کر چکی ہیں اور حکومت اب جو چاہے کرے عوام کو ان کی رقوم صحیح و سالم واپس نہیں مل سکتی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال کا ذمّہ دار کون ہے؟ عوام الناس خود، حکومت یا فنانس کمپنیاں؟ اس سلسلے میں میرا یہ واضح مؤقف ہے کہ اگر حکومت اور عوام ذرا بھر شعور اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے تو ان کی رقوم ضائع نہ ہوتیں۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ باشعور لوگوں نے شروع دن سے ہی فنانس کمپنیوں کی کارکردگی کے

بارے میں اپنی تشویش ظاہر کر دی تھی۔ اِس سلسلے میں بنکنگ کونسل اور سٹیٹ بنک نے لاتعداد دفعہ فنانس کمپنیوں کی حوصلہ شکنی کے لئے مختلف اقدامات کئے لیکن لوگوں نے ان کے بیانات اور ہدایات پر کان نہ دھرے اور اپنی رقوم کو دھڑا دھڑ ان کمپنیوں کے حوالے کر دیا۔ اب سیدھی سی بات ہے کہ جب لوگوں نے حکومتی اداروں کی بار بار تنبیہہ کے باوجود اپنی رقوم فنانس کمپنیوں میں جمع کرائیں تو اب وہ اپنی رقمیں واپس لینے کے لئے شور کیوں مچاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دُنیا بھر میں آپ کو فنانس کمپنیاں ملیں گی لیکن یہ کسی مُلک میں نہیں ہوتا کہ آپ اپنی رقم آج فنانس کمپنیوں کے حوالے کریں اور کل رقم کی واپسی کا تقاضا کریں کیوں کہ فنانس کمپنیاں بہر حال بنک نہیں ہوتیں کہ وہ اپنے کھاتہ داروں کے تقاضا پر اس وقت ان کی رقم واپس کر دیں بلکہ فنانس کمپنیوں کے ساتھ کاروبار کرتے وقت تمام کھاتہ دار ایک باقاعدہ معاہدے پر دستخط کرتے ہیں جس میں وہ اِس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ وہ اپنی رقم فوری طور پر واپس نہیں لے سکیں گے اور نہ ہی واپسی کا تقاضا کرنے کے مجاز ہوں گے۔ چونکہ رقم جمع کرانے والے لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ فنانس کمپنیاں انہیں بنکوں کی نسبت زیادہ منافع دیں گی۔ اِس کے علاوہ بلاسُود کاروبار کے خوش کُن وعدہ سے لوگوں نے اپنی رقوم کو ان کمپنیوں کے کاروبار میں لگا دیا۔

کل ایک معاصر نے فنانس کمپنیوں کے بارے میں خصوصی ایڈیشن شائع کیا ہے جس میں فنانس کمپنیوں کا کچا چٹھا بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس ایڈیشن میں جو خصوصی فیچر شائع کیا گیا ہے اس میں یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے فیچر رائٹر نے فنانس کمپنیوں کے مالکان کے خلاف پولیس کی طرف سے درج کی گئی ابتدائی رپورٹ کی نقل شائع کی ہے ورنہ کم از کم مجھے اس فیچر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسے فیچر رائٹر کی محنت اور تگ و دو کا ثمرہ قرار دیا جا سکے۔ اس فیچر میں ایک فنانس کمپنی کے مالک احسان اللہ خان عرف احسان ٹبالوی (گویا الگمہ بٹالے کا رہنے والا احسان اللہ خان اپنے نام کو مختصر کر کے احسان ٹبالوی لکھتا

ہے تو یہ بھی ایک جُرم ہے) کہا کرتے تھے کہ پاکستان کے صحافی ان کی جیب میں ہیں۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احسان بٹالوی یہ بات کیا کرتا تھا اس وقت مذکورہ فیچر رائٹر صاحب سوتے ہوئے تھے۔ کیا احسان بٹالوی نے اشتہاروں کی رشوت دے کر ان کو واقعتاً اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اس بات سے کوئی شخص بھی بے خبر نہیں کہ جس معاصر نے فنانس کمپنیوں کے خلاف فیچر شائع کیا ہے فنانس کمپنیوں سے زیادہ مفاد بھی اسی اخبار نے حاصل کیا ہے لیکن اس وقت کسی شخص میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ وہ فنانس کمپنیوں کے "فراڈ" کا پردہ چاک کر دیتا۔

یہ درست ہے کہ "مغربی پاکستان" ایک ایسا اخبار ہے جو کوئی بڑا دعویٰ نہیں کرتا لیکن اپنی تمام تر بے بضاعتی کے باوجود یہ واحد قومی اخبار ہے جس نے فنانس کمپنیوں کی جعلسازی کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی اور اپنے قارئین کو ان کمپنیوں کی کارکردگی سے ہر وقت آگاہ رکھا۔ ہمارے فائل گواہ ہیں کہ "حقائق" کا پردہ چاک کرنے والے ہمارے دوست جو باتیں آج اس وقت لکھ رہے ہیں جب انہیں ان کمپنیوں سے کوئی مفاد نہیں مل رہا اور نہ ہی ملنے کا کوئی امکان نظر آرہا ہے، یہی باتیں ہم نے اس وقت لکھیں جب آج کے "مجاہدینِ صحافت" احسان بٹالوی اینڈ کو کے حاشیہ بردار بنے ہوئے تھے اور اسے پاکستان کا نامور ترین ماہرِ اقتصادیات ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ فنانس کمپنیوں کے حق میں لکھنے سے "مغربی پاکستان" بھی وہ تمام مفادات حاصل کر سکتا تھا جو دوسرے اداروں اور اخبارات نے حاصل کئے لیکن ہم نے اپنے مفادات کو نظر انداز کر دیا اور صحافت کے پیشہ ورانہ تقدس کو مجروح نہیں کیا۔

یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے پاکستان میں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں اور یہاں پر رواج یہ ہے کہ جب کسی شخص کا ستارہ عروج پر ہو تو اس کی کاسہ لیسی کی جاتی لیکن جونہی اس کا ستارہ گردش میں آجائے اس کی اچھائیوں کو بھی برائیاں بنا کر پیش کیا جائے

اور شاید یہی وہ "اخلاقی قدر" ہے جو ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی کو سرطان بن کر چاٹ رہی ہے۔ فنانس کمپنیوں اور ان کے مالکوں کی مخالفت ادارہ "مغربی پاکستان" کو سجتی ہے، جس نے اِن کمپنیوں کے "اقتدار" کے دَور میں بھی ان کی مخالفت کی لیکن وہ لوگ جو کل تک انہی کمپنیوں اور ان کے کارپردازوں کی حاشیہ آرائی کر رہے تھے انہیں آج ان کی مخالفت اور ان کی ذات سے کیڑے نکالنے کا کام زیب نہیں دیتا۔ احسان بٹالوی نے ایک پریس کانفرنس میں جس وقت پاکستان بھر کو ٹھیکے پر لینے کی بڑ ہانکی تھی اس وقت میرے اِن صحافی دوستوں کی قومی اور عوامی غیرت کہاں سو گئی تھی۔ کہنا صرف یہ مقصود ہے کہ بُرے دنوں میں کسی کی مخالفت کرنا کوئی بڑائی نہیں۔ آپ میں جرأت ہے تو اقتدار کے دنوں میں صاحب اقتدار کی مخالفت کریں۔ اور اگر آپ میں یہ جرأت نہیں تو اپنی زبان وقلم کا ایسا استعمال نہ کریں کہ صحافت کا مقدس فریضہ ایک بدنام پیشہ بن کر رہ جائے۔

روزنامہ مشرق نے ۱۲ اکتوبر کو اس سلسلہ کا ایک مقالہ ایک' ماہرِ اقتصادیات کے قلم سے" شائع کیا جو اِس طرح ہے :-

فنانس کمپنیاں آندھی کی طرح اُبھریں اور طوفان پھیلاتی ہوئی آنِ واحد میں سارے مُلک پر چھا گئیں۔ انہوں نے قوم کے سادہ لوح انسانوں کو سبز باغ دکھائے اور انکی تمام تر پُونجی بے دردی سے لُوٹی۔ ان کمپنیوں کے ظلم وستم سے ستائے لوگ اپنی دولت کی فکر میں سرگرداں رہے۔

ان نام نہاد فنانس کمپنیوں نے شروع شروع میں حکومت اور عوام کو اپنا درجِ ذیل پروگرام پیش کیا (۱) فنانس کمپنیاں لوگوں کو بلا سُود قرضے دیں گی (۲) فنانس کمپنیاں زکوٰۃ وعشر کی اسلامی حدود کو مضبوط بنانے میں معاون ثابت ہوں گی (۳) فنانس کمپنیوں کے منشور کے مطابق ہر حِصّہ دار یا حساب کنندہ یا شراکت نامہ کرنے والے کو پچیس فیصد منافع ہر حال میں ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہیں اور بصورتِ نقصان نصف نقصان کی ادائیگی کا ذمہ لیتی ہیں (۵) فنانس

کمپنیاں ملک کے ہر حصّہ میں اسکول کھولنے کی ذمہ داری لیتی ہیں اور غریب عوام خصوصاً بیوہ عورتوں، ان کی اولاد کی شادی بیاہ کی رسوم اور یتیموں و لاچار عوام کو مفت سرمایہ فراہم کریں گی جس سے غربت کا قلع قمع کیا جائے گا۔ یہ فنانس کمپنیاں ملک کے ہونہار سائنس دانوں کو ریسرچ کے لئے مفت سرمایہ فراہم کریں گی تاکہ ملک میں سائنس ترقی کرتی رہے اور غربت یک لخت ختم ہو جائے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ شروع میں ہی اگر رجسٹرار کا محکمہ ان کمپنیوں کی کارکردگی کا بغور مطالعہ کرتا تو یہ مصیبت دیکھنی نہ پڑتی۔ رجسٹرار کے محکمے نے صرف ہزار روپے فیس لے کر ان فنانس کمپنیوں کو جگہ جگہ ٹھگ بازی کرنے کی عام اجازت دے دی۔ دراصل ان کمپنیوں نے رجسٹرار کے محکمہ سے دھوکہ کیا، ان سے غلط بیانی کر کے اپنی فنانس کمپنیوں کو "لمیٹڈ" کرایا اور اس اجازت نامے کا سہارا لے کر قوم کو دھوکہ دیا۔ معلوم نہیں ہمارے عوام جو ہر لحاظ سے ہوشیار، پڑھے لکھے دولت مند، سرمایہ دار اور ہر لحاظ سے ہونہار اور عقلمند ہیں کیونکر ان کمپنیوں کے جال میں پھنس گئے۔

اِن فنانس کمپنیوں کے پسِ پردہ کسی قسم کا کوئی اصول بنکاری کارفرما نہیں تھا بلکہ بنیادی مقصد عوامی سرمایہ سے لمبی لمبی کاریں، لاتعداد پلاٹوں کی خرید و فروخت اور فلک بوس عمارتوں کا نیلام کرنا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ وقت کی حکومت کی توجہ بار بار اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی مگر ان کمپنیوں کا محاسبہ نہ کیا گیا۔ صرف چند مخلص لوگوں کی شکایت پر صرف ایک کمپنی کو سرکاری گرفت میں لیا گیا ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے عملہ نے کئی بار اِن کمپنیوں کا محاسبہ کیا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کی مگر اُن پر کوئی حکم صادر نہ ہوا۔ ملک کی معیشت کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ جہاں ایک کمپنی کی مختلف برانچوں میں عوام کے چالیس کروڑ روپے جمع ہوں وہاں دیگر کارپوریشنوں کے پاس کیا کچھ نہ ہو گا۔

ملک میں بنکاری کا نظام جس احسن طریقے سے چلایا جا رہا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ تمام بنکوں کا سرمایہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے علم میں رہتا ہے اور تمام بنکوں کا کُل سرمایہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان ہفتہ وار اخبارات میں شائع کرا کر ساری قوم کو مطلع رکھتا ہے۔ بنکوں میں سرمایہ کی پڑتال سے ملکی معیشت کی صحیح خبر رہتی ہے مگر فنانس کمپنیوں کے غلط اصولوں نے ملکی معیشت کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا صحیح اندازہ تو وزارتِ خزانہ کو ہی ہو سکتا ہے۔

اب جبکہ آرڈی ننس کے ذریعے ان کمپنیوں پر پابندی لگ چکی ہے بہتر یہی ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے ان کمپنیوں میں روپیہ جمع کرایا ہے وہ اپنی شکایات پولیس کے متعلقہ عملہ کو بتائیں تاکہ ان ٹھگوں کا فوری محاسبہ کیا جائے۔ سب سے اچھی بات تو یہی ہے کہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان آگے بڑھے اور ان نام نہاد کمپنیوں کے حسابات کی پڑتال کر کے ان کی جمع شدہ دولت کو حکومت کی تحویل میں لینے کا خاطر خواہ انتظام کرے تاکہ غریب عوام کی ڈوبتی ہوئی رقم واپس مل سکے۔

اب کیا ہوگا؟

فنانس کمپنیوں کی مجموعی تعداد ۱۵۴ تھی - اِن میں سے اکثر کے صدر دفاتر لاہور میں تھے۔ اِن میں سے جن کمپنیوں کا کاروبار باقاعدہ طور سے چل رہا تھا - ان میں سے چار کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں :

۱ - چودھری صفدر کی انڈسٹریل اینڈ کمرشل فنانس - (آئی سی ایف)

۲ - محمّد داؤد کی یونائیٹڈ کمرشل فنانس - (یو - سی - ایف)

۳ - احسان بٹالوی کی ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل (ای سی ایف آئی)

۴ - آقائے مرتضیٰ پویا کی حیدری کمرشل فنانس - (ایچ سی ایف)

ممکن ہے کہ دیگر چند کمپنیاں بھی نیک نامی سے کام کر رہی ہوں مگر مجھے ان کا علم نہیں ہے - سنا ہے کہ راوی کمرشل فنانس اور پریمیئر کمرشل فنانس بھی نیک نامی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے کام کر رہی تھیں۔

تاہم فنانس کمپنیوں کی ایک بھاری تعداد محض روپیہ بٹورنے میں لگی ہوئی تھی - ان فنانس کمپنیوں نے ایسے علاقوں میں دفاتر کھولے جہاں بنکنگ کی عام سہولتیں نہیں تھیں۔ ان میں کام کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو ملازم رکھا جن کے پاس بنکاری کا تجربہ تھا اور جو ڈپازٹ حاصل کر سکتے تھے۔ بیشتر فنانس کمپنیوں کے مینیجنگ ڈائریکٹروں نے عوام سے وصول شدہ

روپیہ اپنی ذاتی تفریح، عیاشی اور آرام پر خرچ کیا اور اسے کسی منصوبے میں نہیں لگایا۔ کچھ نے "عقلمندی" کا ثبوت دے کر اسے غیر ممالک میں کام کرنے والے پاکستانیوں کے ذریعے مُلک سے باہر منتقل کر دیا۔ اندازہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ روپیہ اس طرح ملک سے منتقل کیا گیا ہے۔

فنانس کمپنیوں میں جمع کرایا جانے والا ایک ایک پیسہ ترقیاتی دولت تھی جسے کمپنی کے مالکان نے غیر ترقیاتی مدوں میں خرچ کر کے مُلک کو بھاری اقتصادی نقصان پہنچایا ہے۔

پولیس نے سب سے پہلے پاک انٹرنیشنل اور السعودیہ کے خلاف کارروائی کی اور چھ ملازمین کو گرفتار کیا۔ ان دونوں اداروں کا مالک اکرم نسیم گرفتار نہیں کیا گیا حالانکہ اصل مجرم وہی شخص ہے۔ یہ کارروائی ۲ر اکتوبر کو عمل میں آئی۔ اس کے فوراً بعد لوگوں نے افراتفری کے عالم میں فنانس کمپنیوں کے دفاتر سے رجوع کیا اور اپنی رقم مانگی۔ اسی روز میں نے مینیجنگ ڈائریکٹر کا عہدہ سنبھالا تھا۔ میرے پاس بھی کئی سو لوگ اپنی رقم کے مطالبہ کے لئے آئے اور میں نے سب سے ایک ماہ کی مہلت مانگی اور سمجھایا کہ میں نے آج ہی اپنا عہدہ سنبھالا ہے اس لئے میں فوری ادائیگی کی پوزیشن میں نہیں ہُوں۔ میں آئندہ چند روز میں اثاثوں اور ادائیگیوں کا جائزہ لے کر کچھ کر سکوں گا۔

تاہم جب ۶ر اکتوبر کو علی الصبح احسان بٹالوی کے گھر چھاپہ مارا گیا تو اس وقت تک ان کی کمپنی کے خلاف ایک ایف آئی آر درج تھی۔ پھر جو ایف آئی آرز درج ہُوئیں ان کا تعلق ایکسپریس کمرشل کی صدر بازار شاخ سے تھا حالانکہ مقدمہ گلبرگ میں درج کیا گیا تھا اور ان دو ایف آئی آرز میں کسی کا نام درج نہیں تھا۔ میں تفتیش کے بنیادی اصُولوں سے آشنا نہیں ہُوں مگر میری سمجھ میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ ایکسپریس کمرشل کے خلاف دونوں ایف آئی آرز مقامی نوعیت کی تھیں۔ اگر کوئی کارروائی ضروری ہوگئی تھی تو سب سے پہلے متعلقہ شاخ کا ریکارڈ قبضے میں لے کر مقامی منیجر کو شاملِ تفتیش کرنا ضروری تھا مگر جیسا کہ

میں نے پہلے عرض کیا ہے، ایکسپریس کمرشل کے خلاف اصل کارروائی لوگوں کی رقمیں ادا نہ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اور وجہ سے کی جا رہی تھی۔ مختصر یہ کہ مقامی نوعیت کی دو درخواستوں پر صدر کی بجائے گلبرگ میں ایف آئی آر درج کی گئی اور عملی کارروائی ان ایف آئی آرز کے درج ہونے سے قبل عمل میں آ چکی تھی۔ پھر چھاپے مارے جانے کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوا اور احسان بٹالوی گرفتار نہیں کئے گئے تھے مگر پھر بھی پولیس نے اصل لوگوں کا سراغ لگا کر انہیں گرفتار کرنے کی بجائے ایسے لوگوں کو ہتھکڑیاں لگا دیں جن میں سے دو اپنی حسن نیت سے خود ہی پولیس کے پاس آ گئے تھے۔

اس حرکت کا قطعی منطقی نتیجہ نکلا اور یہ خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ چند گھنٹے میں تمام فنانس کمپنیوں نے اپنے دفاتر خوف اور دہشت میں بند کر دیئے تھے۔ میری اطلاع کے مطابق متعدد کمپنیوں کے مالکان مفرور، روپوش یا ملک سے غائب ہیں۔ پولیس کے اس اقدام کے نقصانات اور فوائد یہ ہیں:

۱۔ اب کوئی شخص فنانس کمپنیوں میں رقم جمع نہیں کرائے گا۔

۲۔ فنانس کمپنیوں کا کاروبار ختم ہو گیا ہے۔

۳۔ تین چار کمپنیوں کے خلاف کارروائی عمل میں آ گئی ہے اور باقی کمپنیاں جلدی میں خود کو دیوالیہ قرار دلوا رہی ہیں۔

۴۔ جن لوگوں کا روپیہ کمپنیوں میں جمع تھا وہ طویل مدت تک اپنی رقم سے محروم رہیں گے کیونکہ جن کمپنیوں کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہے وہاں کارروائی میں کم از کم چھ ماہ لگ جائیں گے۔ جن کمپنیوں کا ریکارڈ پولیس نے قبضے میں لیا ہے وہاں تو کئی برس ادائیگی نہیں ہو سکے گی اور جن کمپنیوں کے مالکان ملک سے فرار ہو گئے ہیں وہاں ادائیگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس تمام صورتِ حال کی ذمہ داری اس عمل پر ہے جو کسی باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر محض ایک خاص شخص کو گرفتار کرنے کے شوق میں عمل میں لایا گیا۔

۵ - جو گنی چنی کمپنیاں نیک نامی سے کام کر رہی تھیں ان کو ایک آرڈی ننس کے ذریعے کام سے روک دیا گیا ہے اور وہ بھی اپنی دولت اور اثاثے اونے پونے دام بیچ کر عوام کا روپیہ واپس کرنے پر مجبور رہونگی -

۶ - یہ توقع بے حد غیر دانشمندانہ اور عبث ہوگی کہ پولیس کسی شخص کا روپیہ دلوا سکے گی۔ پولیس کے دائرہ اختیار میں محض مجرم کو گرفتار کر کے اسے عدالت کے حوالے کرنا ہوتا ہے۔ مقدمے کے مالی رُخ سے پولیس کا تعلق نہیں ہوتا اور وہ عدالت کے دائرہ کار میں بھی تب آتا ہے جب رقم کی واپسی کے لئے باقاعدہ طور سے سِول جج سے درخواست کی جائے۔

فنانس کمپنیوں کو کاروبار کرنے سے جس حکم کے تحت روکا گیا ہے اس کے بارے میں روزنامہ مشرق لاہور نے ۱۰ اکتوبر کو یہ مختصر خبر شائع کی۔

صدر مملکت نے آج بنکنگ کمپنیوں کے بارے میں ۱۹۷۹ء کا ترمیمی آرڈی ننس اور کمپنیز (ترمیمی) آرڈی ننس ۱۹۷۹ء جاری کر دیا ہے۔ بنکنگ کمپنیز ترمیمی آرڈی ننس کے تحت سٹیٹ بنک آف پاکستان کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اِس بات کا جائزہ لے سکتا ہے کہ کوئی کمپنی یا شخص بنکنگ کمپنیز آرڈی ننس ۱۹۶۲ء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنکاری تو نہیں کر رہا۔ آرڈی ننس کے تحت ایسے اقدامات کرنے کا بھی کہا گیا ہے کہ غیر قانونی بنکاری کا دھندہ کرنے والے افراد یا ادارے اپنے اثاثوں کو ٹھکانے نہ لگا دیں نیز اداروں اور افراد کا کاروبار بند کرتے ہوئے ان کے خلاف دیوالیہ قرار دینے کی کارروائی کی جائے۔ کمپنیز ترمیمی آرڈی ننس ۱۹۷۹ء دراصل کمپنیز ایکٹ ۱۹۱۳ء میں ترمیم ہے۔ اس کے تحت ہدایت کی گئی ہے کہ کسی کمپنی کو بھی جس کے نام میں لفظ "فنانس" بھی شامل ہو یا اِس لفظ سے بنا ہوا کوئی دوسرا لفظ یا کوئی ایسا لفظ جو ناپسندیدہ، دھوکہ دینے والا یا لوگوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے والا ہو رجسٹر نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غیر قانونی، ناپسندیدہ یا مقاصد کے مبہم اعلان کرنے والی کمپنیوں کے قیام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اِس امر کا اختیار بھی دیا گیا ہے کہ قانون کے صحیح اطلاق کے

لئے مختلف بے ضابطگیوں کی تحقیقات کی جائے۔ علاوہ ازیں بدانتظامی یا ارکان کے استحصال کو روکنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

==========

پس چہ باید کرد

اس میں کوئی شک نہیں کہ فنانس کمپنیوں کے بارے میں بہت تاخیر سے کارروائی کی گئی۔ سب سے اچھا تو یہ ہوتا کہ مئی ۱۹۷۸ء میں ہی احسان بٹالوی کی فریاد سن لی جاتی اور کوئی ایسا قانون بنا دیا جاتا جس کے تحت تمام فنانس کمپنیاں کسی ضابطے کی پابند ہوتیں اور ان ضابطوں میں رہ کر عوام کی دولت کو جائز منصوبوں میں لگایا جاتا۔

"تاہم اگر اس وقت کوئی کارروائی نہیں ہوتی تھی تو

BETTER LATE THAN NEVER

کے مصداق کوئی کارروائی بعد میں کر دی جاتی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ستمبر ۱۹۷۹ء میں جن حالات غلط فہمیوں اور انتقامی کارروائیوں کے طور پر احسان بٹالوی کو "بندہ بنانے" کی کارروائی کی گئی - اس میں اعلیٰ سطح کے لوگوں کی نیت خراب نہیں تھی اور وہ بے حد خلوص سے خراب صورتِ حال کو صحیح کرنے کے خواہش مند تھے مگر جس طرح ساری کارروائی عمل میں آئی اس سے عوام کا کم از کم دو ارب روپیہ مٹی میں مل گیا ہے۔ اس کے بارے میں میں نے اقتصادیات کے طالب علم کی حیثیت سے بار بار سوچا ہے مگر میں اب تک کسی ایسی ترکیب کی نشاندہی نہیں کر سکا ہوں جس کے تحت عوام کا روپیہ واپس دلایا جاتے۔ بیشتر فنانس کمپنیاں جن کے مالکان نیک نیتی سے کام

کر رہے تھے اور جو ملک سے فرار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہائی کورٹ سے درخواست کر کے خود کو دیوالیہ قرار دے چکے ہیں، باقی نے درخواستیں دے دی ہیں۔ ویسے بھی ان ڈیزولوشنس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کیونکہ سٹیٹ بنک کے ۱۹ اکتوبر کے اعلان کے بعد کوئی فنانس کمپنی کام نہیں کر سکے گی۔ کمپنیاں اپنا خاصا اثاثہ پہلے ہی ٹھکانے لگا چکی ہیں اور عوام کو بیس سے تیس فیصد روپیہ ہی واپس مل سکے گا۔ بہت سی فنانس کمپنیاں ایسی بھی ہیں جن کے ملازمین اور کھاتے دار فرنیچر، موٹر سائیکلیں، کاریں، نقد رقوم اور حتیٰ کہ پردے اور سٹیشنری تک اٹھا کر بھاگ گئے ہیں اور دفاتر خالی پڑے ہیں۔ جن لوگوں نے جن کمپنیوں کے قرض لئے ہوئے تھے وہ بھی واپس نہیں کریں گے کیونکہ کمپنیوں کا ریکارڈ ہی غتر بود کر دیا گیا ہے۔ کچھ ریکارڈ پولیس کے پاس ہے جو خاصی خراب حالت میں ہے۔

اس پس منظر میں اگر فنانس کمپنیوں کے خلاف پولیس کی کارروائی کو دیکھا جائے تو اس میں نیک نیتی تو نظر آتی ہے، مگر نیک عملی نظر نہیں آتی۔ مجھے یقین ہے کہ آئی جی جناب محمد اعظم قاضی اور ڈی آئی جی جناب محمد امین جب بھی اس پورے آپریشن کی معروضی انداز سے سٹاک ٹیکنگ کریں گے تو انہیں ہر طرف مایوسی نظر آئے گی۔ اس میں ڈی ایس پی آغا آصف کو نااہلی کا الزام تو نہیں دیا جا سکتا مگر ان پر کم سٹاف سے بغیر معقول منصوبہ بندی کے آپریشن شروع کرنے کا الزام ضرور لگے گا۔ اس خراب منصوبہ بندی نے ہی فنانس کمپنیوں کے معاملہ کو برصغیر کی تاریخ کا سب سے بڑا مالی اسکینڈل بنا دیا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق ۴۵۰ کمپنیوں کی چار ہزار کے لگ بھگ شاخوں میں بیس ہزار کے قریب ملازمین کام کر رہے تھے۔ انہیں ملازمت کا تحفظ دینے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ اس طرح ہے :-

۱ - ہر گاؤں، قریہ اور بستی میں قائم شدہ فنانس کمپنیوں کو آپس میں مدغم کر کے انہیں ایک واحد اکائی کی صورت میں تشکیل کیا جائے

۲ - ان اکائیوں کو سٹیٹ بنک کی براہِ راست نگرانی میں فنانس بنک کے نام سے از سرِ نو کام شروع کرنے کو کہا جائے" تاکہ کسی ملازم کی نوکری ختم نہ ہو۔

۳ - کسی بھی کم از کم تنخواہ کا تعین کر کے فنانس کمپنیوں کی شاخوں کے ملازمین کو فنانس بنک میں مدغم کرتے وقت سمجھا دیا جائے کہ وہ کم از کم تین سال تک اسی تنخواہ پر کام کرنے کے پابند ہوں گے۔

۴ - کمپنیوں کے موجودہ ایوارڈ شدہ اور فروخت شدہ اثاثوں کی بنیاد پر مجموعی طور سے ادائیگی کا تناسب متعین کیا جائے مگر سٹیٹ بنک یہ رقم کھاتے داروں کو واپس کرنے کی بجائے اسے ڈیفنس یا دیگر بانڈز کی صورت میں خود اپنے پاس رکھ کر سیونگ سرٹیفکیٹ جاری کر دے اور اس رقم کو تقریباً پانچ سال بعد نقد رقم میں تبدیل کر کے واپس کرنا شروع کرے۔ اس وقت تک فنانس کمپنیوں کی نئی اکائی کو عام بنکاری میں مشغول رکھ کر نئے فنانس بنک کو پنپنے کا موقع دیا جائے۔

۵ - فنانس کمپنیوں میں جو ماہرین کام کر رہے تھے انہیں بدستور کام کرنے دیا جائے اور جو منصوبے شروع کر دیئے گئے تھے وہ نئے فنانس بنک کی نگرانی میں مکمل کئے جائیں تاکہ عوام کا جمع شدہ سرمایہ بہتر طریقے سے محفوظ ہو سکے۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو نہ عوام کا روپیہ واپس ملنے کی کوئی صورت ہو گی اور نہ ہی ملازمین کی نوکریوں کا تحفظ ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ترکیب اختیار کی گئی تو وہ عذرِ گناہ کی حیثیت رکھے گی اور بدتر از گناہ ہو گی۔



